ندائے خلافت

۱۱ر مئی ۱۹۹۲ء

- تنظیم اسلامی کی اصل متاع ایک محکم فکر ہے
- آزاد اسلامی افغانستان' ایک سوالیہ نشان
- مشرق وسطیٰ میں ایک نئی تیس سالہ جنگ!

حدیثِ امروز

کابل میں شہری زندگی معمول کی طرف لوٹ رہی ہے ' فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ عبوری حکومت خواہ وہ مجاہدین کے عارضی اتفاق رائے کا مظہر ہو یا امریکہ کے ذیلی ادارے یو۔ این ۔او کے ایماء پر پاکستان کی سعاتمندانہ کوششوں کا ماحصل ' اب کم از کم کابل شہر میں تو مؤثر نظر آتی ہے ۔ پاکستان ٹیلی وژن نے ہفتہ (۳ر مئی) کی شب اپنے خبرنامے میں مملکتِ اسلامی افغانستان کے دار الحکومت کی جھلکیاں دکھائیں جن سے امن و سکون تو جھلکتا ہی تھا تاہم ہماری طمانیتِ قلب کا باعث بطور خاص وہ منظر ہے جس میں ہٹو بچو کے اس اہتمام کے بغیر جو ہمارے ہاں رواج پا گیا ' عبوری صدر جناب صبغت اللہ مجددی کو کار سے نکل کر مرکزی جامع مسجد کی طرف پیدل جاتے بلکہ عوام کی محبت و عقیدت کے سیلِ بے پناہ کی لہروں کے تھپیڑے کھاتے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بڑھتے دکھایا گیا اور پھر ... سبحان اللہ ... انہوں نے مسنون انداز میں ایک بڑے عصا کا سہارا لے کر منبر سے خطبہ دینے کے بعد نماز جمعہ کی امامت بھی فرمائی ۔

طہران میں تو چشمِ فلک قیام الصلوٰۃ کا یہ دلفریب منظر کئی برسوں سے دیکھتی چلی آ رہی ہے ' ہم سُنّی مسلمانوں کے جہانِ نو میں اس کی مثال کے لئے آنکھیں ترستیاں تھیں جو کابل نے اب پیش کی ہے ۔ جناب مجددی کو یہ پیش قدمی مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ اسے پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک نیک شگون' ایک اچھا آغاز بنائیں ۔ ان سے منسوب اس بیان کے مضمرات جو ذرائع ابلاغ نے بڑے ذوق و شوق سے اچھالا ہے کہ ہم بنیاد پرستی کے قائل نہیں ' کم از کم ہم سے تو لاکھ چھُپائے بھی نہ چھُپیں گے کہ اس ایک فقرے کے کوزے میں معانی کے دریا بند ہیں لیکن "بنیاد پرست" مجاہدین حوصلہ نہ ہاریں' مایوس نہ ہوں بلکہ ہتھیار کھول کر کمرِ ہمت کس لیں کہ ان کے لئے اصل کام کا میدان کھُلا ہی اب ہے ۔ وہ دعوت اور قلوب و اذہان کو بدلنے کی محنت شروع کریں تو ان شاء اللہ کوئی اسے خاک میں نہ ملا سکے گا۔ افغانیوں کے یقینِ محکم و عملِ پیہم کی کھاد اور لکھوکھا شہیدوں کے خون کی برسہا برس جاری رہنے والی برسات نے سرزمینِ افغانستان کو اتنا زرخیز بنا دیا ہے کہ دعوت و تنظیم کے بیج ڈالنے پر وہاں احیائے اسلام کی فصل بہت جلد لہلہانے لگے گی ' عالمی خلافتِ اسلامیہ کا آغاز ہوگا ۔ کاش ہم بنجر زمینوں کے کاشتکاروں ' نہیں مزارعوں کا یہ پیغام ان تک پہنچ سکے کہ ۔

پانی وافر' موسم اچھا' مٹی بھی زرخیز پھر بھی جس نے کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

دین کی دعوت وتبلیغ

حضرت آدم علیہ السلام سے نبی اکرمؐ تک اللہ کا دین ایک ہی تھا اور تمام نبی اور رسول لوگوں کو اسی کو قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کی تعلیمات لوگوں تک پہنچاتے رہے یہاں تک کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دین قرآن مجید کی صورت میں مکمل اور محفوظ کر کے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت و رسالت کو ختم کردیا۔ یہ ذمہ داری جو پہلے نبی اور رسول انفرادی حیثیت میں ادا کرتے تھے' مجموعی طور پر امت مسلمہ کے حوالے کردی گئی۔

قرآن کہتا ہے کہ تم بہترین امت ہو' تمہیں لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے (تاکہ تم) انہیں بھلائی کا حکم کرو' برائیوں سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں دعوت و تبلیغ دین کی اس ذمہ داری کو امت مسلمہ کی جانب باقاعدہ ان الفاظ میں منتقل فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں (یعنی جنہیں یہ دین حق پہنچ گیا ہے) وہ اس دین کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں (یعنی بعد میں آنے والے ہیں)

دین حق کی تبلیغ تین اعتبارات سے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ شرافت اور مروت کا تقاضا یہ ہے کہ جو عظیم نعمت ہدایت کسی کو حاصل ہو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے اور انہیں اس کو حاصل کرنے کی ترغیب و تشویق دلائے۔ نبی اکرمؐ کا وہ قول اس حوالے سے پیش نظر رہنا چاہیے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ تم مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک وہی چیز اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرنے لگو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

ثانیاً یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے۔ نبوت و رسالت کی تکمیل کے بعد اب امت مسلمہ کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف اس دین کو اپنے قول اور عمل سے دوسروں تک پہنچائے بلکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر نفاذ کے ذریعے نوع انسانی پر اس دین کی حقانیت اور موجودہ دور میں قابل عمل ہونے کی گواہی بھی دے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ ذمہ داری ان الفاظ میں ہم پر ڈالی ہے۔ "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم (اس دین کے) گواہ ہوجاؤ تمام نوع انسانی پر جیسے رسول اکرمؐ نے تم پر (اس دین کی) گواہی دی"۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت"

ثالثاً" دعوت و تبلیغ دین کا کام ہماری اپنی فلاح و کامیابی کی ضمانت بھی ہے۔ اگر کوئی شخص دین کا داعی بن کر کھڑا ہوجاتا ہے تو ایک طرف نفسیاتی طور پر وہ خود اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسری جانب معاشرہ بھی اس کے عیوب اور کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اسے ان کو دور کرنے پر مجبور کردیتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو دین کی طرف بلائے' اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور صرف ایسے ہی لوگ کامیابی اور فلاح پانے والے ہیں"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ! اگر تمہارے ذریعے کوئی ایک شخص بھی راہ ہدایت کو اختیار کرلے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھری ہوئی وادی سے کہیں بہتر ہے۔○○

داعی تحریک کا دورۂ گوجرانوالہ

داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد ایک روزہ دعوتی دورہ پر ۲۷ اپریل بروز پیر گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ ناظم تحریک خلافت جناب عبدالرزاق صاحب ان کے ہمراہ تھے۔ ان زعماء نے نماز ظہر گوجرانوالہ انڈسٹریل اسٹیٹ میں واقع زینب مسجد میں ادا کی اور نماز کے بعد "حقیقت زندگی" کے موضوع پر حاضرین سے مختصر خطاب فرمایا۔

بعد نماز عصر پاک نیر آٹو موبائل انڈسٹری کے احاطہ میں معاونین تحریک خلافت گوجرانوالہ کا اجتماع ہوا جس کے آغاز میں ناظم تحریک خلافت جناب عبدالرزاق نے مختصر خطاب کیا۔ پھر معاونین تحریک خلافت کا محترم داعی تحریک سے تعارف کروایا گیا جس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں ڈاکٹر صاحب محترم نے شرکاء کے سوالوں کے تشفی بخش جواب دئے۔ آخر میں تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ کے لئے کنوینگ کمیٹی کے ممبران کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق درج ذیل معاونین تحریک خلافت اس کمیٹی کے ممبر ہونگے:

شیخ امجد انعام صاحب ... کنوینر
محمد اشرف صاحب ... سیکرٹری جنرل
محمد صدیق صاحب ایڈووکیٹ... ممبر
محمد امین شاد صاحب ... سیکرٹری رابطہ
مرزا محمد ندیم بیگ.... سیکرٹری نشرو اشاعت
اور فاروق ارشد صاحب.... ممبر

بعد نماز مغرب شیخ امجد انعام صاحب کی جانب سے ان کی فیکٹری کے خوبصورت لان میں داعی تحریک کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا انتظام کیا گیا تھا جس میں معززین و عمائدین شہر مدعو تھے۔ استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے محترم داعی تحریک نے فرمایا کہ جب تک فرقوں اور مسلکوں سے بالا تر ہو کر قرآن کے عالم گیر فکر کی بنیاد پر منہج انقلاب نبوی کے مطابق منظم جدوجہد کر کے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۱۶

۱۱ر مئی ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ر " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ر " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ر " "

'چارج شیٹ'

وطنِ عزیز کی زبوں حالی پر ہر دفعہ ایک نیا مرثیہ ہم بھی لکھ سکتے ہیں لیکن اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ معاشرے کا ہمہ گیر انحطاط روز بروز بڑھ رہا ہے' آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے اور خرابیوں نے ہمیں یوں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کہ کسی ایک خرابی کی نشاندہی کی جائے تو دوسری فریاد کرنے لگتی ہے کہ مری باریکیوں دیر اتنی کری!

ہمارا سوچا سمجھا فیصلہ ہے جس سے ہر ہوشمند پاکستانی اتفاق کرے گا کہ موجودہ صورت حال میں امراض و عوارض کی الگ الگ تشخیص ایک کار عبث ہے کیونکہ فساد اس نظام کا ہے جسے ہم ۴۵ سال سے سینے کے ساتھ لگائے بیٹھے ہیں اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑے بغیر جزوی اصلاح کی کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ اس فساد کا سب سے بڑا شاخسانہ ہمارا طرزِ سیاست ہے جس کے اثرات اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک کے بعد دوسری حکومت سے گلو خلاصی کے لئے جان کی بازی لگائی لیکن مسند اقتدار پر براجمان ہونے والا ہر نیا راہنما راہزن نکلا جس کی چیرہ دستی نے پچھلوں کے لگائے ہوئے زخموں کی ٹیس کم کر دی کیونکہ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

موجودہ حکومت کو کندھوں پر سوار کر کے ایوانِ اقتدار تک پہنچاتے ہوئے عامۃ الناس کی ایک معقول اکثریت نے یہ سمجھا تھا کہ وہ ایک ایسے مسیحا کو پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے ان کے سب دکھوں کا مداوا کر دے گا' سارے ہی مسئلے حل ہو جائیں گے اور عامۃ الناس ہی کا ذکر کیا' ہماری بعض مذہبی اور دینی جماعتوں تک نے پورے ایقان کے ساتھ یہ دعویٰ کیا تھا کہ نئی قیادت ملک میں اسلامی شریعت نافذ کرے گی جو ہماری سب پریشانیوں کو ہوا میں تحلیل کر دے گی۔ قوم کو بشارت دی گئی تھی کہ امید وار قیادت پستیوں کی مکین اس قوم کو نئی رفعتوں سے آشنا کرے گی۔ لیکن اس کے بر سر اقتدار آنے کے بعد بھی ہمارے دلدر دور ہونے کے آثار نظر نہیں آتے تو اس لئے کہ لوگوں کو ایک فریب میں مبتلا کیا گیا تھا کیونکہ نظام کی تبدیلی کا ارادہ نہ آنے والوں کا تھا نہ لانے والوں کا۔ عزائم تھے تو یہ کہ حاضر و موجود نظام کی کون کون سی کلوں کو کس کس طرح موڑا توڑا جائے کہ ذاتی اور گروہی مفادات کا قوام پہلے سے زیادہ گاڑھا ہو جس کا سرور اگلی پچھلی سب کسر نکال دے۔ ان کے عزائم تو پورے ہو گئے یا ہو رہے ہیں' عام آدمی ہر روز کسی نئی افتاد کا منتظر رہتا ہے ... روز مرتا ہے روز جیتا ہے اور زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔

آئی جے آئی کی حکومت کے روایتی ناقدین یعنی حزبِ مخالف سے بلاواسطہ یا بالواسطہ وابستہ لوگوں کے الزامات کو تو حاسدانہ عیب جوئی کا نام دے کر ایک حد تک نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی حلیف جماعتوں کی تنقید کو کیا کیجئے' کیا اسے بھی تنقیص کہا جائے۔ مثلاً جماعت اسلامی ہی کو لیجئے' اس کی طرف سے واویلے کا آغاز تو آئی جے آئی کے ساتھ اس کے ہنی مون کے خاتمے کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا' جس پر کا بینہ میں وزیراعظم میاں نواز شریف کے قریبی ساتھی اور بالخصوص شیخ رشید جو سابق وزیر ثقافت ہونے کا پس منظر بھی رکھتے ہیں' "ہلکی پھلکی موسیقی" کی پھبتی کس کے ہنسی میں اڑاتے رہے ہیں لیکن اب کے ان کی سرگرانی اور ہے۔ روز نامہ جنگ لاہور (۳ر مئی) نے خبر دی ہے کہ جماعت اسلامی کی مجلس عاملہ نے وزیراعظم اور ان کی حکومت کو باقاعدہ "چارج شیٹ کر دیا" اور اس میں بھی کچھ زیادہ خبریت نہ ہوتی اگر ساتھ ہی یہ اطلاع موجود نہ ہوتی کہ جماعت اسلامی نے پہلی بار حکمران جماعت کی پارلیمانی پارٹی کا بائیکاٹ بھی کیا ہے۔ افسوس کہ جماعت کا یہ اقدام بہت بعد از وقت ہے۔ ان دنوں میاں نواز شریف سر شاری کے عالم میں ہیں اور بیت المال' پھر "مشہور و معروف" روزگار سکیم اور اب کابل کو "فتح" کرنے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

الهدیٰ

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۹۳)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور اٹھایا تمہارے اوپر طور کو' کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس کو قوت کے ساتھ تھام لو اور سنو! انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی! اور پلادی گئی تھی ان کے دلوں میں بچھڑے کی پرستش ان کے کفر کے سبب سے'

(کہ اے اسرائیل کی اولاد' تمہارا حال تو یہ ہے کہ جب تم سے احکام شریعت کی پابندی کا عہد لینے کے لئے کوہ طور کو تم پر معلق کیا گیا تو تم نے اس وقت زبان سے تو اقرار کیا اور سننے اور ماننے کا عہد کیا لیکن تمہارے دل میں اس وقت بھی عصیان اور سرکشی کے جذبات موجزن تھے چنانچہ بعد میں تم عملاً اس عہد سے سرتابی کرتے رہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے انعامات و احسانات کی ناشکری اور ناقدری کرنے کی پاداش میں گو سالہ پرستی ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی اور اس کے اثرات بد ان کے دلوں سے پورے طور پر زائل نہ ہو سکے)

ان سے کہو کہ کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کا تمہیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان' اگر تم مومن ہو ○

(تو اے نبی ذرا ان سے پوچھئے کہ تمہارا یہ ایمان کیسا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تم اس نوع کی حد درجہ مذموم حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ تمہارا دعویٰ ایمان ہی غیر معتبر اور مشکوک ہے!)

جوامع الکلم

مومن کا معاملہ کس قدر عجیب اور عمدہ ہے کہ اس کے جملہ امور اس کے لئے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ اور یہ فضیلت سوائے مومن کے اور کسی کو حاصل نہیں: اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ چیز اس کے لئے خیر کا موجب ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے حق میں باعث خیر ہے۔

(کہ ایک بندہ مومن اگر فی الواقع اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر و شکر کی زندگی بسر کرے تو از روئے فرمان نبوی اس کے لئے ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے۔ اگر اسے اللہ کی طرف سے خوشحالی اور فراوانی نصیب ہو اور خوشی اور مسرت کے لمحات اسے میسر آئیں تو جذبات تشکر اس کے قلب کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہیں۔ نتیجۃً اللہ کی مزید رحمتوں اور عنایات کی اس پر بارش ہوتی ہے۔ اور اگر اسے کوئی تکلیف اور رنج پہنچے اور مصائب و آلام سے اسے سابقہ پیش آئے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے اور پورے تحمل سے مشکلات کو جھیلتا اور برداشت کرتا ہے۔ اس کا یہ طرز عمل بھی اسے اللہ کی بے پایاں رحمت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!)

(صحیح مسلم بروایت حضرت صہیبؓ بن سنان)

سوال یہ بھی ہے کہ کیا جنرل دوستم کی ملیشیا مسلط رہے گی!

آزاد اسلامی افغانستان... ایک سوالیہ نشان

مسعود حکمت یار مفاہمت کے بغیر نیا افغانستان تعمیر نہیں ہو سکتا

عبدالکریم عابد

افغانستان کی آگ اردگرد کے ممالک کو بھی لپیٹ میں لے لے گی

آئی ایس آئی کے افغان سیل کے ایک عہدیدار بریگیڈیئر ریٹائرڈ محمد یوسف نے لکھا ہے کہ جنرل ضیاء الحق افغانستان کے معاملے میں دو رخی پالیسی پر گامزن رہے اور حکومت پاکستان نے کبھی افغانستان میں اسلامی حکومت کو سنجیدگی سے اپنا مقصد نہیں قرار دیا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ امریکہ افغان قوم کے ذریعے روس کو ایک زک پہنچانا چاہتا تھا اور جب اس کا پر غرور سر نیچے ہوگیا اور اس نے اپنی ذلت و شکست تسلیم کرلی تو امریکہ کی مسئلہ افغانستان سے دلچسپی ختم ہوگئی اور اس نے اپنی پالیسی بدل لی۔ جہاں تک حکومت پاکستان کا تعلق ہے' اس کی کبھی کوئی افغان پالیسی نہیں تھی۔ ہمارے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب امریکہ کے آدمی تھے اور امریکہ کی ہدایات پر عمل کرتے تھے اور امریکہ لکھو کھا ڈالر اس لئے نہیں خرچ کررہا تھا کہ افغانستان میں ایران کی طرح کوئی بنیاد پرست حکومت قائم کرائے اور ضیاء الحق سمیت حکومت پاکستان کے سارے عہدیدار بھی یہ سمجھتے تھے کہ افغان جہاد کے خاتمے پر کچھ بھی ہو' اسلامی حکومت قائم نہیں ہوگی۔

بریگیڈیئر یوسف کی اس رائے پر ہمیں غصہ آسکتا ہے لیکن ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچا جائے تو یہی نتیجہ اخذ کرنا ہوگا کہ اسلامی حکومت کے نصب العین کا بس نام ہی نام تھا اور بات فقط یہ تھی کہ ہم امریکی بلاک میں تھے اور ہماری ضرورت روز بروز گھٹتی جارہی تھی کہ روس نے اپنی فوج افغانستان میں داخل کردی اور ہم نے سمجھا کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ہے۔ ہم دھڑا دھڑ روپیہ اور اسلحہ ساری دنیا سے وصول کرتے رہے۔ اس امداد سے جہاد کا ثواب بھی حاصل ہو رہا تھا اور ناجائز دولت سے ہاتھ بھی رنگے جارہے تھے ورنہ اسلامی حکومت کا ہمیں بہت ہی شوق ہوتا تو اسے پہلے ہم اپنے اور اسلامی کانفرنس کے رکن دوسرے ممالک میں قائم کرتے لیکن محض اقتدار کو بچانے اور سیاسی مصلحتوں کے لئے اسلام کا نام لیا جاتا رہا ورنہ اسلام نہ حکام کے طرز عمل میں تھا نہ حکومتی پالیسیوں میں۔ ہوسکتا ہے کہ ذاتی طور پر ضیاء الحق صاحب واقعی مخلص ہوں اور ان پر دو رخی پالیسی کا الزام غلط ہو لیکن ان کے اخلاص کے باوجود مجموعی صورت حال یہی تھی کہ "ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ"۔ ایک بازی گری تھی جو ملکی سطح پر اپنا کرتب دکھا رہی تھی اور اس صورت حال کا اثر افغان جہاد پر بھی تھا اور اسی وجہ سے آج افغانستان میں ایک پر فساد منظر سامنے ہے۔

افغانستان کے موجودہ حالات میں کمانڈر احمد شاہ مسعود وزیر دفاع جنرل مسعود ہوگئے ہیں اور حکمت یار حسب سابق گوریلا لیڈر ہیں۔ ان دونوں کی رقابت سے قطع نظر پچاس کے قریب مسلح گروہ ہیں جو افغانستان کے الگ الگ علاقوں میں اپنی سلطنتیں قائم کئے بیٹھے ہیں۔ انہی میں ہیروئن کی کاشت اور تجارت کرنے والوں کی سلطنتیں بھی شامل ہیں۔ افغانستان میں روسی افواج کی آمد سے قبل ۱۹۷۷ء میں پاکستان سے متصل افغان علاقوں میں افیون کی پیداوار دو سو پچاس ٹن تھی' ۱۹۸۹ء میں ۵۸۵ ٹن ہوگئی اور آج اس سے بھی زیادہ ہے۔ خیبر اور مہمند کے علاقے میں ہیروئن تیار کرنے کی دو سو فیکٹریاں کام کررہی ہیں جن میں اعلیٰ سائنسی اور فنی عملہ ملازم ہے۔ اس کاروبار میں نامور مجاہدین' اسمبلی اور سینٹ کے ارکان' اعلیٰ سول و فوجی افسر اور غیر ملکی مافیا شریک ہے۔ ان مسلح گروہوں میں قبائلی' نسلی' لسانی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں کے حامل گروہ بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہیں اور ایسی صورت میں ان پر قابو پانا ممکن نہیں جبکہ خود اعلیٰ سطح کی قیادت ایک دوسرے کے خلاف بندوق بازی کررہی ہو۔

مسلح گروہوں سے قطع نظر بھی افغانستان میں سیاسی خلا ہے اور معلوم نہیں ہے عبوری کونسل سے پر ہوگا یا نہیں۔ معاشی لحاظ سے ایک دیوالیہ ملک ہے جس کے مختلف حصوں میں ہزار ہا ہزار بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں' دستی بم اور کھلونا بم جا بہ جا پھیلے پڑے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افغانستان کا اب کوئی کلچر ہی نہیں رہا۔ پچاس لاکھ افغانیوں نے پاکستان اور ایران کے کیمپوں میں بہت بری زندگی بسر کی ہے۔ وہ امداد پر گزر بسر کرنے اور امداد کے لئے جھگڑا کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ افغانستان کی نئی نسل نے خواہ وہ افغانستان کے اندر ہو یا باہر' صرف کلاشنکوف کا کلچر دیکھا ہے۔ ظاہر شاہ کے افغانستان میں برا بھلا یک سیاسی نظام موجود تو' تھا ایک معیشت تھی اور ی طرح کی بھی ہو لیکن ایک تہذیب بھی تھی۔ س قبائلی تہذیب میں جمود تھا اور آگے کی جانب حرکت نہیں تھی جبکہ قدرت کا قانون یہ ہے کہ جو معاشرہ اپنے اندر سے تبدیلی کے لئے اسباب پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوتا وہ عذاب الٰہی کی زد میں آجاتا ہے۔

روسی فوج کی آمد عذاب سے کم نہیں تھی۔

پندرہ لاکھ افغان جاں بحق ہوگئے' دس لاکھ معذور بنے پڑے ہیں' پچاس لاکھ کے حصے میں مہاجرت آئی اور اتنا سب کچھ نقصان سہنے کے بعد بھی نہ کوئی نیا نظام تشکیل پانے کے امکانات ہیں نہ امن و سکون کی امید کی جاسکتی ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رہے گا۔

یہ سب اس لئے ہے کہ افغان مجاہدین نے اللہ کی رسی کو مضبوط نہیں پکڑا۔ وہ تفرقہ کا شکار رہے۔ جب روس نے اعلان کیا کہ وہ جارہا ہے تو اسی وقت یہ تفرقہ ختم کرنے کا انتظام ہوجاتا اور اگر اس وقت کچھ نہیں ہوسکا تو جب نجیب نے یہ کہا کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہے تو اس کی جگہ لینے کے لئے متحدہ کابینہ بنائی جاتی مگر یہ دیکھ کر بھی کہ کابل کا تخت ہل رہا ہے اور عنقریب اوندھا ہوجائے گا' مجاہدین کی تفرقہ پسندی میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اس اعلان کے بعد جھگڑا اس پر بڑھ گیا کہ ہم سب سے بڑا ہاتھ ماریں۔ یقیناً جناب نواز شریف نے مجاہدین میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اپنی طاقت اور بساط سے بہت زیادہ کیا لیکن آخری وقت میں توبہ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور افغانستان کے حالات کا ڈرامائی اختتام بھی ایسا تھا کہ ہفتہ دو ہفتہ کی دوڑ دھوپ سے وہ اتحاد نہیں پیدا ہوسکتا تھا جس کے بیج ہی نہیں بوئے گئے تھے۔

حکمت یار اور مسعود دونوں نے طلبا سیاست سے آغاز کیا' ایک دوسرے کے ساتھی تھے مگر جب الگ ہوگئے تو ان کے درمیان مستقل خونی عداوت رہی اور ان خوں ریزیوں میں ایک دوسرے کے اس قدر آدمی قتل کئے گئے کہ کوئی بھی اسے فراموش نہیں کرسکتا۔ اگرچہ افغان مزاج انتقام پسند ہے تاہم حکمت یار اور مسعود میں صلح ضروری تھی اور اب بھی ہے۔ اگر کوئی چیز افغانستان کو ٹوٹنے اور جلنے سے بچا سکتی ہے تو وہ ان دونوں کا میل ملاپ ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی بیو رو کریسی اور سرکاری ذرائع ابلاغ کا رویہ یہ رہا ہے کہ وہ پہلے کمانڈر مسعود کے خلاف نظر آتے تھے اور حکمت یار کو اہمیت دیتے رہے لیکن اب اس کے برعکس مسعود ان کا چہیتا ہے اور حکمت یار معتوب و مغضوب ہے۔ مگر اس پالیسی کا پاکستان کو نقصان ہی ہوگا' اسے پہلے بھی حکمت یار یا کسی فریق کے ساتھ نتھی نہیں ہونا چاہیے تھا اور اب بھی افغان لیڈروں کے جھگڑوں سے اپنے آپ کو اونچا اور الگ رکھنا چاہیے۔

وزیر دفاع جنرل مسعود کے کیا کہنے!۔ ہر طرف ان کی دھوم ہے۔ مغربی اخبارات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ تمام افغانستان کے عوام بھی ان کے حسن انتظام اور رفاہ عامہ کے لئے ان کے اقدامات کے مداح ہیں۔ سابقہ سویت یونین کے علاقوں میں بھی انہیں ہیرو سمجھا جارہا ہے اور حکمت یار ایک ہزیمت خوردہ شخصیت نظر آتے ہیں۔ قلعہ بالا حصار پر ناکام حملے سے پہلے ان کے بلند بانگ دعاوی تھے اور جس قدر بڑے دعوے انہوں نے کئے تھے اتنی ہی بڑی شکست سے وہ دو چار ہیں مگر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ افغان سیاست اور جنگ کا تصفیہ نہیں ہوا ہے' نئے سرے سے آغاز ہوا ہے اور حکمت یار کا زیر اثر علاقہ ہمارے پڑوس میں ہے بلکہ ہمارے اندر بھی ہے جبکہ مسعود کا شمالی افغانستان ہم سے فاصلے پر ہے۔ پہلے ہمیں حکمت یار کے افغانستان سے سابقہ پیش آئے گا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی سرحد پر اپنی ایک مخالف طاقت پیدا کرلیں جو ہمارے اندر بھی مار کرسکتی ہو۔

اس پہلو سے قطع نظر افغانستان کے داخلی امن استحکام کے لئے بھی ان لوگوں کی بات نہیں سنی جانی چاہیے جو کہتے ہیں کہ حکمت یار صاف شفاف دودھ میں ناپاک مکھی ہیں' انہیں نکال باہر پھینکو۔ جس طرح افغانستان کے لئے برہان الدین ربانی اور کمانڈر مسعود ضروری ہیں' اس طرح حکمت یار بھی ضروری ہیں اور ہماری افغان پالیسی یا خارجہ پالیسی کامیاب اس وقت ہوگی جب ہم ان دونوں شخصیات میں میل ملاپ کرائینگے ورنہ صرف افغان پالیسی اور خارجہ پالیسی ہی نہیں ملک کی داخلہ پالیسی بھی بری طرح درہم برہم ہو کر رہ جائیگی۔

مسعود حکمت یار مفاہمت اس لئے بھی ضروری ہے کہ افغانستان پر جنرل دوستم کی ملیشیا نے سایہ کر رکھا ہے۔ در حقیقت یہی ملیشیا تھی جس نے نجیب کا ساتھ چھوڑ کر اور مزار شریف کو کمانڈر مسعود کے حوالے کر کے افغانستان میں انقلاب پیدا کردیا۔ مگر یہ ملیشیا ہے کیا چیز؟۔ اسے سابق حکمرانوں نے لوگوں کو دبانے کچلنے کے لئے بنا یا تھا۔ اس میں تاجک فورس رکھی گئی تھی جو پختونوں کے خلاف استعمال ہوتی تھی۔ یہ کام پہلے بھی ہمارے بادشاہ اور حکمراں کرتے رہے ہیں۔ عرب بادشاہوں نے عرب عوام کو کچلنے کے لئے غیر عرب فوج بنائی' ترک حکمرانوں نے بھی ایک مخصوص نام سے غیر ترک فوج تشکیل دی تھی اور ہم نے بھی مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کی فوج رکھی۔ تاجک ملیشیا بھی اسی طرح کی چیز تھی اور اس نے لرزہ خیز مظالم کئے مگر جب دیکھا کہ نجیب تو خود ہی جانے کے لئے کہہ رہا ہے اور حالات دگر گوں ہیں تو انہوں نے تاجک عصبیت کی بنیاد پر کمانڈر مسعود کو سر آنکھوں پر بٹھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کابل' جلال آباد' قندھار' ہرات کوئی شہر بھی مجاہدین فتح نہیں کرسکے اور نہ کرسکتے تھے کیونکہ باضابطہ فوج کے مقابلہ کے لئے باضابطہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مکتی باہی خواہ کتنی ہی طاقتور ہو اور عوام بھی اس کے ساتھ ہوں پھر بھی ایک باضابطہ فوج ہی دوسری باضابطہ فوج کو شکست دے سکتی ہے۔

ہماری مشکل یہ تھی کہ ہم پاکستانی فوج استعمال کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اور حالات بھی اس طرح کی مہم جوئی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے گوریلا جنگ ہی دشمن کو پریشان کرسکتی تھی لیکن اس سے ملک فتح نہیں ہوسکتا تھا۔ خاص طور پر جب ساری امداد بھی روک لی گئی اور بین الاقوامی دباؤ بھی جنگ بند کر کے مذاکرات کے ذریعہ تصفیہ کرنے پر تھا۔ ان حالات میں تخت کابل تک رسائی کی ایک ہی صورت تھی کہ اندر کی فوج سے مل کر انقلاب لایا جاتا۔ حکمت یار نے جنرل تنائی سے مل کر یہ انقلاب لانے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہے۔ مسعود بھی اس طرح کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے مگر جنرل دوستم کی تاجک ملیشیا اور تاجک جنرلوں نے مسعود کے نام کو آگے رکھ کر انقلاب بر پا کردیا۔ انہوں نے جس حکمران کونسل کا اعلان کیا اس کے چاروں ارکان بھی غیر پشتون تھے۔ جنرل اعظمی' جنرل مومن' جنرل بابا جان' جنرل آصف دلاور چاروں میں کوئی بھی پشتون نہیں تھا۔ انہوں نے کمانڈر مسعود کو کابل آنے کی دعوت دی لیکن مسعود کو معلوم تھا کہ اس طرح کابل میں داخلہ ایک بڑا پختون غیر پختون فساد کھڑا کردے گا اس لئے وہ کابل سے باہر ہی رہے اور اس وقت کابل میں داخل ہوئے جب مجددی کی سربراہی میں

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

مرتبہ : ریاض الحق

ولولہ اور امنگ پیدا کیجئے لیکن دین کے لئے

تنظیم اسلامی کی اصل متاع ایک محکم فکر ہے

سترہویں سالانہ اجتماع میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا اختتامی خطاب

حمد و ثنا' سورۃ الفاطر کی آیت نمبر ۱۰ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا کہ ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمارے سترہویں سالانہ اجتماع کی تقریب بھی بحیثیت مجموعی خیر و خوبی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ میں نے بحیثیت مجموعی خیر و خوبی کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو اس لئے کہ یقیناً کوتاہیاں رہی ہوں گی اگرچہ اس مرتبہ میرے علم میں وہ کم آئی ہیں اس۔ کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس بھرپور طریقے سے میں پہلے شریک رہا کرتا تھا' اس مرتبہ اس طرح شریک نہیں رہ سکا۔ بہرحال جو بھی کوتاہی یا خامی میرے عذر کی وجہ سے ہوئی اس کی میں پہلے بھی معذرت کر چکا ہوں ' اب چاہتا ہوں کہ جو کوتاہیاں منتظمین اور ذمہ دار حضرات سے ہوئی ہوں ان کو آپ شعوری طور پر معاف کر کے اٹھئے اور اپنے دلوں کو صاف کر کے یہاں سے واپس جائیے۔

اس سال کا علمی ہدیہ

میرا یہ معمول رہا ہے کہ اپنے آخری خطاب میں کوئی نہ کوئی علمی اور دینی ہدیہ یا تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آج کے لئے میں نے سورۂ فاطر کی ایک آیت منتخب کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعض پہلوؤں پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالوں "من کان یریدا لعزۃ فللّٰہ العزۃ جمیعا" یعنی جو کوئی بھی عزت کا طالب ہو اسے جان لینا چاہیے کہ عزت کل کی کل اللہ کے لئے ہے۔ اس میں ایک اعتبار سے طلب عزت کی نفی ہو رہی ہے لیکن ایک اور جگہ اس کا اثبات بھی ہوتا ہے۔

اس نفی اور اثبات کی ایک اور مثال بھی ہے ' قرآن حکیم کی سورۂ آل عمران میں کہا گیا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں "ھل لنا من الامر من شی" یعنی امر اور فیصلوں میں ہمارا بھی کوئی حصہ یا اختیار ہے کہ نہیں؟۔ کہہ دیجئے "قل ان الامر کلہ للہ" امر تو کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہے' تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی آپ دیکھتے ہیں کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا "و امرھم شوری بینھم" یعنی ان کا امر ان کی باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلی نفی بھی ہے اور ایک جگہ استثناء بھی موجود ہے۔ پھر اولی الامر ہیں اور ان کو بھی اطاعت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" لیکن حقیقت کے اعتبار سے اختیار مطلق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ' جو فیصلہ وہ کردے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں تاہم اس کے فیصلے کے تابع امر دوسروں کے لئے بھی ہوگا۔ بالکل یہی معاملہ عزت کا ہے۔ یہاں تو عزت کی نفی کردی گئی کہ جو کوئی بھی عزت کا طالب ہے وہ جان لے کہ عزت کل کی کل اللہ کے لئے ہے لیکن دوسری طرف سورۃ المنافقون میں فرمایا" فللّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقون لایعلمون" یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس

تنظیم اسلامی پاکستان کے سترہویں سالانہ اجتماع سے امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کا اختتامی خطاب قدرے قطع و برید کے ساتھ بھی ٹیپ سے اتارنے کے بعد اتنا طویل ہوگیا ہے کہ ہمیں سوچنا پڑا کہ اسے دو اقساط میں شائع کیا جائے لیکن محسوس ہوا کہ اس طرح افادیت میں کمی ہوجائے گی ۔ ایک ہی نشست میں اسے پڑھنے سے جو بھرپور تاثر ملتا ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے زیر نظر شمارے کے دوسرے مندرجات کو التواء میں رکھنا مناسب سمجھا۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لئے تو اس کا مطالعہ (اور ان ساتھیوں کے لئے بھی ان ہدایات کو مکرر پڑھنا جو اپنے کانوں سے سن کر گئے ہیں) اپنی جگہ مفید ہے ہی ' تحریک خلافت کے ان معاونین کے لئے بھی اس کی ضرورت میں کلام نہیں جو تنظیم کے قریب آئے اور قریب تر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ اس خطاب سے انہیں معلوم ہوگا کہ یہ جماعت اپنے مزاج کے اعتبار سے منفرد حیثیت کی حامل ہے جس میں بنیادی فلسفے ' نظم جماعت اور اس کے تقاضوں کا صغریٰ کبریٰ کتاب و سنت کی روشنی میں جوڑا جاتا ہے ۔ زمانے کے چلن اور جماعتی مصلحتوں کو اس کے طریق کار اور طرز تنظیم میں بس برائے نام ہی جگہ ملتی ہے ورنہ معیار رد و قبول دین کے وہ اصول ہیں جن میں مداہنت کا رویہ اپنا کر بہت سی مذہبی جماعتیں اور دینی تحریکیں اپنی منزل کھوٹی کئے بیٹھی ہیں ۔ وہ یہ بھی دیکھیں گے کہ تنظیم اسلامی خرگوش کی طرح چھلانگیں لگا کے منزل کی طرف بڑھتے ہوئے کسی ایک پڑاؤ پر لمبی تان کر سو رہنے کی بجائے ایک ایک قدم جما کر اور تسلسل اور توازن برقرار رکھ کر منزل کی طرف نظر جمائے ہوئے سیدھی اس راستے پر چلنے کی اپنی عادت کو پختہ تر کرنے کی مشق کر رہی ہے جس کے سنگ ہائے میل ربانی بصیرت قرآن اور سیرت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رہنمائی میں متعین کئے گئے ہیں چاہے اس کے نتیجے میں رفتار کچھوے کی سی کیوں نہ رہ جائے --- مدیر

کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے۔

جب خلافت علی منہاج النبوۃ کا عالمی نظام قائم ہوگا تو ہر شخص کو اسلام تو قبول کرنا پڑے گا یا اعزاز کے ساتھ یا توہین و تذلیل کے ساتھ چنانچہ حدیث میں آیا کہ " بعز عزیز او ذل ذلیل" اگر وہ اسلام قبول کرے گا اور ایمان لے آئے گا تو اس کے گھر میں اسلام اعزاز کے ساتھ داخل ہوگا' اگر نہیں قبول کرے گا تب بھی اسے تابع تو رہنا ہے۔ گویا کہ اس کے گھر میں تو اسلام داخل ہوا لیکن وہ اس کے اعزاز سے محروم رہا۔ اسی طرح عزت کا معاملہ ہے۔

امنگ اور ولولہ دین کے لئے

یہاں انگریزی کے ایک لفظ Ambition کو ذہن میں رکھئے یعنی امنگ' ولولہ' کسی شے کے حصول کی دھڑکتی خواہش یہ Ambition کوئی بری چیز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن میں امنگ نہیں ہوتی وہ دنیا میں کوئی کام نہیں کرسکتے۔ وہ دنیا میں بھی پیچھے رہتے ہیں اور دین میں بھی پیچھے رہتے ہیں۔ گویا یہ امنگ اور ولولہ مطلوب شے ہے۔ دنیا میں کوئی موثر کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جن میں کوئی امنگ ہو۔ دین نے بھی صرف امنگ کی سمت کو بدلا ہے چنانچہ قرآن میں اشارہ ہے۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات" بھلائیوں' نیکیوں اور خیرات میں دوڑ لگاؤ' ایک دوسرے سے آگے نکلو' دنیا کے حصول میں نہیں پھر حکم آیا" سابقوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ عرضھا کعرض السماء والارض " دوڑو' ایک دوسرے سے آگے نکلو اور اپنے رب کی مغفرت کے حصول میں بازی لے جاؤ گویا Ambitions ہماری قوت کار کے لئے توانائی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہیں۔ جن لوگوں میں امنگ نہیں ہوتی وہ تو محض پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں' آگے نہیں نکلتے۔ یہی بات یہ ہے کہ وہ زندگی نہیں گزارتے بلکہ زندگی انہیں گزارتی ہے۔ Ambitions تو درکار ہیں لیکن ان کا رخ دنیا کی طرف نہ ہو۔ بندہ طالب عقبی نبنے بلکہ طالب مولی بنے' اللہ کا طالب بنے' دنیا کا طالب نہ ہو۔

ہمارے صوفیائے کرام اور خالص طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ انسانی نفسیات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ہمارا جدید دور کا علم نفسیات تو محدود ہے کیونکہ وہ صرف حیوانی نفسیات سے بحث کرتا ہے' اصل انسانی نفسیات جس میں روحانی نفسیات کا حصہ بھی شامل ہے' اس کی طرف سے اس علم کی آنکھیں بند ہیں۔ مغرب نے حیوانی نفسیات کا نام علم النفس رکھا ہوا ہے جبکہ انسان کی اصل نفسیات کو جاننے والے صوفیائے کرام ہیں جو جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ صوفیاء میں چوٹی پر حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ملکیت بھی قوی ہو اور بہیمیت بھی جاندار ہو۔ اگر آپ کا حیوانی وجود قوی نہیں تو آپ کوئی اچھا کام بھی مناسب انداز میں نہیں کرسکیں گے۔ اسی بات کو بڑے سادہ الفاظ میں علامہ اقبال نے کہا۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

اگرچہ بات کہنے کا یہ خالص پہلوانی انداز ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔ جن کی بہیمیت قوی ہو اور روحانیت بھی قوی وہی لوگ کوئی موثر کام کرسکتے ہیں۔

عزت اور علو میں فرق

بہرحال اس آیت میں پہلی بات یہ آئی ہے جو کوئی بھی عزت چاہتا ہے اسے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ "علو" کی خواہش اور عزت چاہنے میں بنیادی فرق ہے۔ علو یعنی اپنی بالا دستی' اپنے لئے اقتدار' اپنے لئے اختیار اور قوت حاصل کرنا بہت مذموم جذبہ ہے اور اس کے لئے سورۃ القصص کی آیت یاد رکھئے " وتلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علوافی الارض ولا فسادا" یعنی یہ آخرت کا گھر تو ہم نے مخصوص کردیا ہے ان لوگوں کے لئے جو اس زمین میں اپنے لئے بالا تری علو اور سربلندی کے طالب نہیں ہیں جس کا منطقی نتیجہ فساد ہے۔ قرآن میں ہمیشہ تفرقے کا سبب آپس کی ضدم ضدا کو بتایا گیا۔ "وما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم" چنانچہ علو فی الارض اور بغیا بینھم تو فساد کی جڑ ہے لیکن عزت کی طلب بری چیز نہیں بلکہ عزت نفس اپنی جگہ بڑی پسندیدہ چیز ہے۔

تاہم عزت نفس میں اور تکبر میں امتیاز قائم کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس میں ایک بال برابر فرق ہوتا ہے دوسروں کو شاید یہ محسوس ہو کہ انسان تکبر کی وجہ سے ایسا کررہا ہے جبکہ وہ عزت نفس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خود انسان سے اپنے بارے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے لیکن بہرحال عزت نفس چاہنا بری شے نہیں کیونکہ مومنین کے لئے عزت کا اثبات ہے۔ اس عزت حقیقی کے حصول کا راستہ ہمیں قرآن میں یہ بتایا گیا کہ " من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا" لیکن عزت جو ہمیں درکار ہے وہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر آئی "فابتغوا الیہ الوسیلۃ" وہاں یہ بھی آیا " ایھم اقرب" جن لوگوں کو یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں وہ تو ایک دوسرے سے ابھی مسابقت کررہے ہیں کہ کون اللہ کے اور قریب ہوجائے۔ عالم آخرۃ اور عالم برزخ میں بھی یہ عمل جاری رہتا ہے۔ انسان اور آگے بڑھے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ اس دنیا میں تو ایسا ہے ہی لیکن معلوم ہوتا ہے یہ عمل وہاں بھی جاری رہے گا۔

تقرب کی شرائط

اس کے لئے دو شرائط ہیں " الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ" تقرب اللہ کی پہلی شرط لازم کلام طیب ہے۔ کلام کلمے کی جمع ہے لیکن یہاں یہ جمع کے صیغے میں نہیں آیا ورنہ مونث آتا۔ اس کی ایک شاذ قراءت "کلام الطیب" بھی ہے تاہم مفہوم سب نے ایک ہی لیا ہے کہ یہاں مراد کلمہ نہیں بلکہ کلام ہے۔ انسان کے دماغ کی فزیالوجی میں سب سے بڑا حصہ Speech Center ہے یعنی کلام اور پھر اس کے بھی دو حصے ہیں' پہلے کسی چیز کا شعور اور پھر اس کو بیان کرنا۔ جتنا آپ کا تصور اور ادراک صحیح ہوگا اتنا ہی آپ کا بیان واضح ہوگا۔ اگر ذہن میں الجھاؤ ہے تو تقریر بھی الجھی ہوئی ہوگی۔ کلام الطیب سے مراد ہے صحیح فہم ادراک اور شعور اور پھر اس کو صحیح طور پر پیش کرنا۔ اس صحیح خیال اور نظریے میں اوپر اٹھنے کی ایک بالقوہ صفت موجود ہے۔ کلام طیب سے یہاں ہمارے مفسرین نے کلمہ طیبہ مراد لیا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کل کلام کا نچوڑ ہے تاہم ہر اچھا خیال' ہر پاکیزہ خیال اور ہر پاکیزہ نظریہ و جذبہ اپنے اندر یقینا ایک قوت رکھتا ہے۔ یہ قوت عروج کی قوت ہے۔

کلام طیب میں اوپر اٹھنے' بڑھنے کی ایک اندرونی خاصیت موجود ہے لیکن عملاً اس کے اٹھنے کا دارومدار عمل صالح پر ہے " والعمل الصالح یرفعہ" یہ خود نہیں اٹھتا بلکہ عمل صالح اسے

اٹھائے گا اور جس اصول پر اللہ نے انسان کو بنایا ہے اس کی بھی بنیاد یہی ہے ۔ بہتر سے بہتر بات بے وقعت ہوجائے گی اگر آپ اس کے لئے عمل صالح نہیں کرسکتے ۔ بدقسمتی سے ہمارا عمل صالح کا تصور بس کچھ عبادات و رسومات تک محدود ہوگیا ہے ۔ فرائض کے بعد نفل پڑھو پھر اور نفل پڑھو اور اسی میں آگے چلتے جاؤ ۔ میں نے دورۂ ترجمہ قرآن میں یہ بات واضح کی تھی کہ مکی دور میں عمل صالح سے کیا مراد تھا۔ اس وقت تک نہ نماز کا نظام تھا نہ روزے کا اسی طرح عام سخاوت تو تھی لیکن زکوٰۃ کا کوئی نظام نہیں تھا ' شراب حرام نہیں تھی ' جوا بھی حرام نہیں تھا تو پھر عمل صالح کیا تھا؟۔

عمل صالح در حقیقت دعوت ' اقامت دین کی جدوجہد اور جہاد تھا جو اول روز سے شروع ہوگیا ۔ اللہ کی طرف بلاؤ اور پھر جم جاؤ فلذالک فادع واستقم کما امرت" یہ تھا اصل میں عمل صالح ۔ مشکلات پر صبر ہی اصل میں مکی دور کا عمل صالح تھا اتفاق البتہ موجود تھا ' جو غلام ایمان لے آئے تھے ان کو خرید کر حضرت ابوبکرؓ آزاد کرتے تھے ۔ اصل عمل صالح کلام طیب پر استقامت تھا کہ اس پر جم جاؤ پھر دعوت کا مرحلہ تھا ۔ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ ' پھر جو بھی تکلیف آئے ' ستایا جائے کردار کشی ہو ' آپ کے خلاف کیچڑ اچھالا جائے تو اسے جھیلو " واصبر علی مایقولون" اور " واھجر ھم ھجرا جمیلا" پھر اس دعوت اور جدوجہد کو استقامت کے ساتھ مسلسل کرتے رہنا تھا۔ یہ تھا عمل صالح پھر اسی عمل صالح کے برگ و بار بعد میں آگئے جن میں نماز ' روزہ ' زکوٰۃ حج عمرہ شامل ہیں ۔ یہ سب بھی عمل صالح ہیں ۔

لیکن ہمارے سامنے ذہن میں عمل صالح کی وہی منزلیں رہتی ہیں ۔ جب بھی عمل صالح کا ذکر آتا ہے تو وہی عبادات ذہن میں آجاتی ہیں جبکہ وہ عمل صالح اس وقت ایک ہی تھا یعنی استقامت ' ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" اس ایک لفظ (استقامت) میں قیامت مضمر ہے ۔ پھر دعوت ہے " ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا و قال انني من المسلمین" اور پھر تیسرے نمبر پر صبر ' جم جانا چنانچہ جب اقامت کی منزل آئے گی اور جہاد و قتال کی اگلی منزلوں کی طرف پیش قدمی ہوگی تو یہ عمل صالح ہونگے ۔ یہاں نوٹ کریں کہ اللہ کا تقرب ہی اصل عزت ہے ۔ اس عزت کا تو ہمیں متلاشی ہونا ہے اس کی آرزو اور تقرب الی اللہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اس طرح وہ سب کے سب ایک دوسرے سے مقابلہ کررہے ہیں "ایھم اقرب الی اللہ" کون ہے جو قریب سے قریب تر ہوجائے اس کا ذریعہ کیا ہے ۔ اچھے خیالات اچھے نظریات اچھے اقوال اس کا ذریعہ ہیں لیکن عمل صالح اس کو بلند کرے گا " والعمل الصالح یرفعہ" میں یرفعہ کی ضمیر مفعولی "کلم الطیب" کی طرف جارہی ہے ۔ عمل صالح ہی ہے جو کہ اس کلام طیب کے ابھرنے ' نشو نما اور ترقی کا ذریعہ ہے ۔ اس کے لئے دو شرطیں الیہ یصعدا لکلم الطیب" اور والعمل الصالح یرفعہ" ۔

اب اس کے منفی پہلو کی طرف آیئے ۔ آپ کا نظریہ چاہے کتنا ہی اعلیٰ اور ارفع ہو لیکن آپ کو خلا میں نہیں کام کرنا بلکہ پہلے سے موجود نظریات سے الجھنا ہوگا جن کی جڑیں مضبوط ہیں۔ لوگوں کے لئے اپنے معبودوں کو چھوڑ دینا آسان نہیں ہے ۔ بڑی مشقت کرنی ہوگی ۔ ایک ایک فرد کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی ۔ راتوں کو جاگ کر دعائیں مانگنی ہونگی ' در در پر جا کر دستک دینا ہوگی اور ان کے پیچھے اپنی جوتیاں تڑوانی ہونگی ' تب کہیں جا کر یہ کفر ٹوٹے گا۔ ایک طرف آپ جدوجہد کررہے ہیں تو دوسری طرف مخالفین و معاندین بھی ہیں ۔ ان کی طرف سے نئی نئی چالبازیاں ہو رہی ہیں ' روز روز نئے شوشے چھوڑے جارہے ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں پاگل ہے ' شاعر ہے ۔ کبھی کہتے ہیں یہ ابتر ہے ان کی اولاد ہی نہیں ان کا ذکر کرنے والا اور نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ کسی سے سیکھتے ہیں املا لیتے ہیں اور پھر ہم پر دھونس جماتے ہیں ۔ اس قولی تعذیب کے بعد خبریں آرہی ہیں کہ آج بیٹھ کر انہوں نے مشورہ کیا جیسا کہ سورۂ انفال میں آیا " اذیمکرفن بک" جب کہ آپ کے بارے میں چالیں چلا رہے تھے کہ کیا کریں ۔ آپ کو کہیں قید کردیں یا قتل کردیں یا شہر سے نکال دیں ۔ یہ مشورے ہورہے تھے جن کی خبریں آتی رہتی تھی ۔ اس میں آپ کا طرز عمل کیا ہو ۔ یہ کہ آپ اپنا کام کرتے رہیے اس کے لئے جو محنت شاقہ درکار ہو اور پھر جو مداومت ' استقامت اور صبر اور جان مال کو خرچ کرنا درکار ہے کرتے رہیے ۔ جو لوگ چالیں چل رہے ہیں بیٹھ کر منصوبہ بندی کررہے ہیں اور تدبیریں سوچ رہے ہیں کہ اس دعوت کا راستہ کیسے روکا جائے اس کے درمیان ہم مزاحم ہوجائیں گے فرمایا "والذین یمکرون السیات لھم عذاب شدید" یقین رکھئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ سزا آکر رہے گی ۔ چاہے فوراً آئے چاہے بعد میں آئے ۔ متعدد بار یہ فرمایا گیا کہ اے نبی اگر ہم چاہیں گے تو آپ کے سامنے ہی عذاب لے آئیں گے اور اگر چاہیں گے تو آپ کی وفات کے بعد عذاب آجائے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو لازما ہے ۔ لہٰذا ایک تو یہ یقین رہے کہ جو بھی کوئی بری چالیں چل رہا ہے وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گا دوسرے "ومکر اولئک ھو یبور" یہ یقین رکھو کہ ان کی یہ ساری چالیں ناکام ہو جائیں گی ۔

اگر انسان کو یہ یقین ہو کہ میں حق پر ہوں تو کسی کی چالوں اور تدبیروں سے بد دل ہونے کی ضرورت نہیں ۔ جو چاہیں یہ چالیں چل لیں ' منصوبے بنالیں' ان کی چالیں فیل ہو کر رہیں گی اور یہ ناکام ہو کر رہیں گے ۔ اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ یہ جو کچھ کررہے ہیں "استکبارا فی الارض" کے لئے کررہے ہیں ان کا جذبہ محرکہ اصل میں زمین میں اپنی بڑائی ہے میں نے عرض کیا تھا کہ علو فی الارض ہر حال میں مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور بری چالیں جو یہ چل رہے ہیں آپ مطمئن رہیں کہ یہ بری چالیں انہی پر الٹی پڑیں گی یہ اللہ کے بڑے محکم وعدے ہیں ۔ یہ تو ایمان کا بنیادی تقاضا ہے کہ یقین ہو کہ اللہ کا کوئی وعدہ غلط نہیں اللہ نے جو فرمایا صد فی صد صحیح فرمایا ۔ اس اعتبار سے اس آیت میں ہمارے لئے تین بنیادی رہنمایاں ہیں ۔

بنیادی رہنمائی

Ambition اصلا کوئی بری شے نہیں ' مسابقت ضروری ہے اور جس میں جان ہوگی وہی دوڑے گا۔ انسان عزت کا طالب بنے لیکن حقیقی عزت تقرب الی اللہ ہے ۔ مال و دولت ' دنیوی و جاہت ' ناموری' شہرت اور اقتدار سے نہیں صرف اللہ کے قرب سے عزت حاصل ہوتی ہے ۔ اللہ سے قرب کے دو ہی راستے ہیں کلام طیب جس کا خلاصہ ایمان اور سب سے بڑا مظہر کلمہ طیبہ ہے ' اس میں اوپر اٹھنے کی بڑی صلاحیت ہے لیکن یہ ابھارنے سے ابھرے گا' خود نہیں اور یہ اصل میں تمہارے امتحان کے لئے ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو درجے کیسے معین ہوں گے یہ تو اسی سے ظاہر ہوگا کہ عملی جدوجہد میں کون کس درجے پسا ہے' کس

نے اپنے آپ کو کس درجے ہلاک کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ عزت تلاش کرو لیکن اس کا ذریعہ کلام طیب اور عمل صالح ہے تاہم وقتی طور پر معاندین کی ایذا رسانی سے دل پر رنج آجانا فطری بات ہے ۔ چنانچہ فوری یا وقتی طور پر متاثر ہوجانا ایمان کے منافی نہیں لیکن اس کا کوئی مستقل اثر نہ لیا جائے ' اس کی وجہ سے قوئی شل نہ ہوجائیں ' اس کی وجہ سے آپ کا عمل صالح مضمحل نہ ہوجائے اور آپ کی جدوجہد میں کوئی کمی نہ آجائے ۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے اس وعدے پر یقین ہو کہ ان کی یہ ساری چالیں برباد ہو کر رہیں گی ۔ اور ان کی یہ ساری چالیں ہیں کیا" استکبارا فی الارض" زمیں میں تکبر کے لئے در حقیقت یہ سارا کام کررہے ہیں ۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ' اس دنیا میں ایک دوسرے کے اوپر ہونے ' بالادستی حاصل کرنے کے لئے ہے یہ جو مکر کی چالیں چل رہے ہیں ' یہ انہی پر الٹی پڑیں گی یہ ہے مرا آج کے لئے مثبت علمی اور قرآنی تحفہ ۔ کوشش کیجئے کہ اس آیت نمبر ۱۰ کو جا کر یاد کرلیں اور اس کے تینوں پہلوؤں کو اچھی طرح سے مستحضر رکھیں ۔

سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ اور اس آیت میں بڑا قرب ہے ۔ اس کا پہلا حصہ وہی ہے "فلذالک فادع" آپ دعوت دیتے رہیے ۔ کس بات کی ' یہ پہلی آیت میں آگیا "ان اقیموا الدین" آپ کی دعوت کا مرکز و محور اقامت دین رہے ۔ فلذالک فادع واستقم کما امرت" ڈٹے رہیے ' جمے رہیے اس پر جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے ۔ کوئی مخالفت ہراساں نہ کرے ' کوئی مفاہمت کی کوشش کچھ لینے دینے پر آمادہ نہ کرے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے لن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم نہیں راضی ہونگے آپ سے کبھی یہود اور نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کی پیروی نہ کریں ۔ لہٰذا کسی مفاہمت کا خیال چھوڑ دیجئے ۔

کہیے کہ میرا تو ایمان ہے اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی میں تو اس پر ڈٹا ہوا ہوں اور جما ہوا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں ۔ میں صرف واعظ بن کر نہیں آیا ' شاعر تو ہوں ہی نہیں ۔ میں تو اس نظام عدل و قسط کو نافذ کرنے آیا ہوں ۔

موجودہ حالات پر اطلاق

اس آیت کے اگلے حصے کا تعلق آج کے ماحول کے ساتھ سب سے زیادہ ہے ۔ اس وقت جب نبی دعوت دے رہے تھے تو وہ خیر مطلق تھے ۔ حق مطلق نبی تھے ' جو ان کے ساتھ نہیں تھا وہ لازماً کافر تھا ۔ لہٰذا وہاں تو مفاہمت کا وہ انداز ہو ہی نہیں سکتا جو اس آیت میں ہے ۔ پھر فرمایا اللہ ربنا و ربکم" یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ کافروں کا رب بھی وہی ہے اور مسلمانوں کا رب بھی وہی "لنا اعمالنا ولکم اعمالکم" یہ بھی ٹھیک ہے کہ اے کافرو تمہارے لئے تمہارے اعمال' ہمارے لئے ہمارے اعمال' "لا حجۃ بیننا وبینکم" یہ صحیح طور پر منطبق ہوگا تو خود مسلمانوں پر۔مسلمانوں میں مختلف تحریکیں ہیں ' مختلف طریقے سے کام ہورہے ہیں اور مختلف انداز میں لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ۔ قطع نظر اس کے کہ کس کی کیا نیت ہے ' کام تو بہرحال دین کا ہو رہا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر اللہ ہمیں جمع کردے گا ۔ اول تو اسی دنیا میں جمع کردے گا یعنی اگر تم میں خیر ہے تو تم ہم سے آملو گے یا ہم تم سے مل جائیں گے ۔ اور یوں یہاں دنیا میں ہی جمع ہونے کا معاملہ ہوجائے گا اور اگر نہ ہو تو آخرت تو ہے ہی ' وہاں تو جمع ہونا ہی ہے ۔ ایک ہی دربار میں پیشی ہوگی ۔ مسلمانوں میں جو دوسری جماعتیں دین کا کام کررہی ہیں ' ان کے ساتھ ہمارا حقیقی قلبی معاملہ یہی ہونا چاہیے جو آیت کے اس آخری ٹکڑے میں بیان ہوا ۔

معاصر دینی تحریکیں

میں نے نئی منتخب شدہ شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اس کا بہت فائدہ ہوا ۔ اس اجلاس میں زیادہ وقت اس بات پر صرف ہوا کہ اب ہماری تحریک جہاں کھڑی ہے ' اس سے آگے بڑھنے کے لئے اصولی قواعد کیا ہوں ' کیا اہداف بنائے جائیں ۔ خاص طور پر تحریک خلافت کے حوالے سے جو ہم نے حال ہی میں شروع کی ہے ' اسکے بارے میں ہماری کیا سوچ ہونی چاہیے ۔ ہماری شوریٰ میں بعض نوخیز تحریکوں کا بھی تذکرہ ہوا جیسے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی تحریک ہے ' محسوس ہوتا تھا کہ انتخابات میں بری طرح ناکامی کے بعد وہ تحریک بالکل مضمحل ہوگئی ہے لیکن گفتگو میں پتہ چلا کہ وہ اس پروگرام کے ساتھ بڑی ہمت سے میدان میں آگئے ہیں کہ انتخابات کے ساتھ یہاں کچھ نہیں ہوگا ' اب ہمیں جہاد کرنا ہے ۔ چنانچہ ایک اعتبار سے تو یہ بات بڑی خوش آئند ہے ۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے مد مقابل بریلوی مکتبہ فکر سے "دعوت اسلامی" سامنے آئی ہے اور چند سالوں میں وہ ایک لاکھ کا اجتماع کرسکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ کافی فعال لوگ ہیں ' باہمت ہیں اور کام کررہے ہیں ۔

طاہر القادری صاحب جہاد کے اپنے اس نظریہ پر جمے رہتے ہیں اور انتخاب کی طرف نہیں آتے تو وہ ہمارے مد مقابل ہیں کیونکہ نظریہ وہی ہے ' ایسے ہی جیسے تبلیغی جماعت کے مقابلے بریلوی تبلیغی جماعت آرہی ہے ۔ ہم نے ان باتوں پر بھی غور کیا ۔ میں نے اپنی شوریٰ میں چند سوالوں پر ہر شخص کے لئے بولنا لازمی قرار دے دیا تھا ۔ یہ مشق میرے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی ۔ مشورہ اصل میں مجھے درکار ہوتا ہے ' میں اپنے فیصلے کے لئے ساتھیوں کے مشورے کا محتاج ہوں ۔ یہ اجلاس بہت کامیاب رہا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے قدم جس طریقے سے اٹھ رہے ہیں اور ہمارے ادارے (Institutions) جس طرح ترقی پذیر ہیں ' اس پر اطمینان محسوس ہونا چاہیے اور شوریٰ کا یہ اجلاس اس کی ایک مثال تھا ۔

ہمارا فکر واضح ہے

شوریٰ کی آرا کے نتیجے جو امور ایک اتفاق رائے کی شکل میں ہمارے سامنے آئے وہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں ۔ پہلی بات یہ کہ اس پر الحمد للہ سب کو اطمینان ہے کہ ہماری اصل قوت ہمارا فکر ہے ۔ مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کم سے کم شوریٰ کی حد تک ہمارا فکر بالکل واضح ہے اور اس فکر پر پورا اعتماد بھی پایا جاتا ہے بلکہ بعض احباب نے تو کہا کہ اب ہمیں اپنے فکر پر صبر کی ضرورت ہے ۔ جو بھی ادھر ادھر کی تحریکیں اٹھیں یا وقتی ہنگامے کھڑے ہوجائیں ' ان پر ہمیں متزلزل نہیں ہونا چاہیے ۔ ہماری قوت کا اصل سرچشمہ اور اصل ہتھیار صحیح دینی فکر اسلامی ہے اور اس کے اوپر صبر کی ضرورت ہے ' اس پر جمے رہنے اور استقامت کی ضرورت ہے ۔ شوریٰ کی سوچ کا ملخص یہ ہے کہ ہمیں ان تحریکوں سے متاثر ہونے کی ضرورت

نہیں ۔ شور اٹھتے رہیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ کیا کر رہے ہیں ۔ اس اعتبار سے کچھ افراد کی ڈیوٹی ہونی چاہیے کہ وہ رابطہ رکھیں تاکہ ہمیں صحیح خبریں ملتی رہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلیں اور اپنے دل میں کوئی سوئے ظن پالتے رہیں اس طرح تو ہم گناہ کے مرتکب ہوجائیں گے ۔

دوسرے ان کے بارے میں ہماری پالیسی "انتظار کرو اور دیکھو" کی ہونی چاہیے ۔ مثلاً اگر کوئی شخص طے کرلیتا ہے کہ وہ الیکشن میں نہیں جائے گا تو اس کا اصل ٹیسٹ اس وقت ہوگا جب الیکشن کا وقت آئے گا ۔ اسی وقت لالچ سر اٹھاتا ہے اور اسی وقت پتہ چلے گا کہ آیا وہ وقتی سخن سازی تھی یا واقعتاً فیصلہ کرلیا گیا ہے تیسری بات بہت ضروری اور مثبت بات جو میں نے پہلے بھی بیان کی ہے یہ کہ ہمیں اپنے قلب اور ذہن میں کشادگی پیدا کرنی چاہیے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک تحریک سے ہمارا قرب رہا ہے ' یعنی جماعت اسلامی سے ابوالکلام آزاد سے پھر علماء دیو بند سے بھی جن کی میرے دل میں بڑی قدر و منزلت ہے ۔ حضرت شیخ الہندؒ کو میں چودھویں صدی ہجری کا مجدد اعظم مانتا ہوں ۔ میں نے اپنی کتاب " جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی " میں اس پر تفصیلاً بحث کی ہے کہ بقیہ حلقوں سے بھی ہمارا رابطہ ہونا چاہیے ۔

مطلوب طرز عمل

اپنے ذہن اور قلب میں ان حلقوں کے لئے وسعت پیدا کیجئے ۔ میرے پاس معروفیات کی وجہ سے ملاقاتوں کا وقت نہیں ہوتا اگرچہ اس کی خواہش ہوتی ہے ۔ پھر کچھ ملاقاتوں سے یہ تاثر لیا گیا کہ شاید یہ ہمارے محتاج بن کر آئے ہیں یا پھر ہمارے ذریعے سے تقویت چاہتے ہیں ۔ اس سے طبیعت میں رد عمل پیدا ہوا کہ وقت نکال کر جائیں بھی اور تاثر یہ ملے ۔ تاہم بڑا عامل یہ ہے کہ وقت ہوتا نہیں البتہ اس سلسلے میں ہمارے ساتھیوں کو کسی درجے میں بھی تنگ دلی یا بخل کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے ۔ آپ کا ذہنی افق جتنا وسیع ہوگا اتنا ہی اپنے قلب و ذہن میں متضاد چیزوں کو جگہ دینے کی خاصیت پیدا ہوگی ۔ ہر گروہ کے خیر کے پہلوؤں کو بھی پہچانئے گمراہی اگر کہیں ہے تو اس سے نفرت ہو 'گمراہوں سے نفرت نہیں ہونی چاہیے ۔ ان کے ساتھ ہمارا تعلق طبیب کا سا ہونا چاہیے ۔ ان کے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات ہوں لیکن ہمیں ہر ایک کے لئے اپنے قلب و ذہن میں وسعت پیدا کرنی چاہیے اور ہر ایک کا پس منظر دیکھنا چاہیے ۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں لکھا کہ ہمارے علمائے دیو بند سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ ہر غیر دیو بندی " حنفی " بریلوی ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے ۔ ہندوستان میں دین کے بڑے بڑے مراکز تھے ۔ بریلی میں تو ایک صاحب احمد رضا خان ابھرے جن کے نام سے بریلویت شروع ہوگئی ورنہ فرنگی محل کا بہت بڑا ادارہ ' خیر آباد ' مکتبہ فکر اور اس کے علاوہ پنجاب میں بڑی بڑی جگہیں جن میں راولپنڈی کے قریب گولڑہ علم و فضل کا مرکز رہا ' یہ معروف معنی میں بریلوی نہیں ہیں ۔ سیال شریف کا سلسلہ بھی اس معنی میں بریلوی نہیں ' لیکن دیو بندیوں کی خود اعتمادی کا یہ معاملہ رہا کہ جو دیو بندی نہیں ' وہ یا تو وہابی (اہلحدیث) ہوگیا یا بریلوی ہے ۔ یہ بات صحیح نہیں ۔

اہلحدیث کے تو خیر مسلک میں فرق ہے تاہم بریلویت نے کچھ تعصب پیدا کیا ہے لیکن ان سب کو بریلوی سمجھ لینا صحیح نہیں ہے ' مولانا نورانی میاں کے والد بہت بڑے مبلغ تھے اور دنیا میں خاص طور پر جزائر غرب الہند وغیرہ میں انہوں نے کام کیا جس کے بڑے بڑے مراکز اب بھی قائم ہیں جہاں یہ دورہ کرنے جاتے ہیں اور وہیں سے ان کو سب سے زیادہ مالی امداد ملتی ہے وہ اگرچہ مرید تھے احمد رضا خان بریلوی کے لیکن تحریک خلافت کے ضمن میں انہوں نے ان کا حکم نہیں مانا۔ احمد رضا خان کا تو اس وقت انتقال ہوچکا تھا لیکن ان کے جانشین نے روکا کہ تحریک خلافت میں حصہ مت لو کیونکہ یہ دیو بندیت کی مظہر ہے ۔ انہوں نے انکار کردیا اس لئے کہ اس میں تو مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ان کے شاگرد رشید مولانا محمد علی جوہر شامل تھے جو ایک بہت بڑی شخصیت کے طور پر تحریک خلافت میں آئے ۔ البتہ اس لحاظ سے وسعت موجود رہی ہے کہ جمعیت علمائے ہند میں صرف دیو بندیت نہیں تھی بلکہ اس میں اہل حدیث بھی تھے ' اس میں خیر آبادی مکتبہ فکر کے بدایونی مکتبہ فکر کے علما اور علما دہلی بھی تھے ۔ اس اعتبار سے بھی ہماری معلومات بڑھنی چاہئیں ۔ اس سلسلے میں کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" کے جو بہت اہم متعلقہ حصے ہیں ' ان کا مطالعہ کیجئے گویا تیسری ضرورت یہ ہے کہ اپنے قلب و ذہن میں وسعت پیدا کیجئے ۔

چوتھی اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ہمارے پاس ہماری اصل متاع ایک مثبت فکر ہے ۔ فرائض دینی کا جامع تصور اور منہج انقلاب نبوی ہمارے مثبت فکر کے دو بڑے اہم اثاثے ہیں ۔ ہم انہیں قوت کے ساتھ پیش کریں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاصر تحریکوں کے اندر جو بھی قوت محرکہ پیدا ہوگی استعمال ہوگی (Develop a potential) تو آخر اس کے حامل لوگ کہیں آہنی پردے میں تو نہیں ' اسی ماحول میں ہیں ۔ آپ انہیں فکری انجیکشن لگائیے ' اپنا فکر پھیلائیے ۔ اسے بیان کیجئے اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ بیان کیجئے ۔ جیسے کہ ہمارے رفقاء نے لفظ استعمال کیا کہ اس فکر کو بیان کرنے میں شدت ہو اور اس میں تمام وسائل و ذرائع کو بھرپور طور پر استعمال کیا جائے ۔ اس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ انہی قوتوں میں اگر جذبہ عمل یا جذبہ جہاد پیدا ہو جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا مقصد حاصل ہوگا ۔ جہاد کیا ہے اس کے مراحل کیا ہیں ' اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں ' اس کے فکر کو عام کیجئے ۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ جہاد کی طرف آرہے ہیں اور اگر انہوں نے اس کی کوئی مجمل سی بات سمجھی ہے تو اس کی تفصیلی شکلیں سامنے آنے پر ان میں سے سلیم الفطرت اور پیچھے چلنے والے مخلص لوگ آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے ۔ انہیں اپنے فکر کے انجیکشن ہمیں بڑے پیمانے پر دیتے رہنا چاہیے ۔ ہمیں تو یہی چاہیے کہ کوئی بھی تحریک ہو اس کا رخ صحیح ہوجائے یہی تو ہمارا مطلوب ہے ' ہمیں اور کیا چاہیے!

میرا اپنا طرز عمل

اگر مجھے یہ احساس ہوجائے کہ کوئی داعی زیادہ واضح فکر اور بہتر صلاحیت والا میدان میں آگیا ہے اور پھر میں اس کا ساتھ نہ دوں تو گویا میں اپنے ضمیر کے سامنے مجرم بن جاؤں گا ۔ میری عمر کا اب ساٹھواں برس ہورہا ہے لہٰذا فکر کی پختگی مکمل ہوچکی ہے ۔ لیکن میں اپنے بارے میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میں دنیا کی ہر چیز برداشت کرسکتا ہوں سوائے اپنے ضمیر کی چبھن کے ۔ میں اس

چھن کے ساتھ چل نہیں سکتا ' پاگل ہوجاؤں گا ۔ یہ الفاظ میں نے رحیم یار خان کے ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کو کہے تھے جو کہ میرے ساتھ جنرل ضیاء کی شوریٰ میں تھے میں نے ان سے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتا اس فضا میں سانس نہیں لے سکتا ۔ وہ سمجھانے لگے تو میں نے کہا کہ میں پاگل ہوجاؤں گا ۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ استعفی دے دیجئے ۔ میرا ضمیر مطمئن نہ ہو تو میں کوئی کام نہیں کرسکتا ۔ ضمیر مطمئن تھا تو میں مودودی صاحب سے ٹکرا گیا جو میرے والد کے ہم عمر تھے اور پھر اصلاحی صاحب سے ٹکرا گیا ۔ عزم تنظیم نامی کتابچے میں میں نے چیلنج کیا تھا کہ دین کے مبادی پر میں بڑے سے بڑے عالم سے بحث کرنے کے لئے تیار ہوں کیونکہ مجھے اس بارے میں پورا اعتماد حاصل ہے ۔ البتہ فقہی مسائل میں میں مبادیات سے بھی واقف نہیں ہوں ۔ میں نے جس طرح اپنی والدہ سے وضو کا طریقہ سیکھا تھا اسی طرح وضو کرتا ہوں اس میں کیا مستحبات ہیں کیا سنتیں ہیں اور کیا نوافل ہیں ان کی تعداد شاید مجھے یاد نہ ہو ۔ اس اعتبار سے میں "امی" ہوں یعنی جو کچھ بھی سیکھا اپنی ماں سے سیکھا البتہ جو دین کے اصول اور مبادی ہیں ' ان پر میں بڑے سے بڑے عالم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ ہماری جو فکر کی قوت ہے اسے بھرپور طور سے استعمال ہونا چاہیے ' اس کے لئے سوچے کہ کیا کیا ذرائع استعمال کئے جائیں اس میں شدت پیدا ہوگی تو ہماری گاڑی آگے چلے گی ۔

تحریک خلافت پر اطمینان

ایک اور بات جس پر اتفاق رائے ہے اور صرف ایک پہلو پر ہمارے ایک ساتھی کو ایک ٹیکنیکل اختلاف ہوا ' یہ کہ تحریک خلافت بروقت اور اس صحیح رہنمائی کے تحت جو اللہ کی طرف سے آئی ' شروع ہوئی ہے ۔ میرے تو حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی "حزب التحریر" والوں سے میں ملتا رہتا تھا لیکن ان کی بات نے مجھے متاثر نہیں کیا ۔ میرا پہلا اعتراض یہی تھا کہ آپ نے نام "حزب التحریر" رکھا ہوا ہے ' حزب اللہ یا حزب اسلامی کیوں نہیں؟ ۔ یہ حزب التحریر تحریک آزادی ہے جو دنیا میں عوام ہر جگہ جمہوریت کے لئے چلاتے ہیں ' آپ دینی اصطلاح کیوں نہیں استعمال کرتے ۔ اسی طرح خلافت کے لفظ نے بھی ذہن کے تاروں کو چھیڑا نہیں لیکن ایک شخص کو اللہ نے ذریعہ بنایا ' بات سامنے آئی اور واضح ہوئی تو میں نے قبول کر لیا ۔ اللہ کی طرف سے رہنمائی کے مختلف ذرائع اور اسباب بن جاتے ہیں لیکن اس پر اتفاق رائے ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ صحیح اور بروقت رہنمائی آئی ہے اور ہم نے صحیح تحریک کا بروقت فیصلہ کیا ۔

فنی نوعیت کا اختلاف ہمارے صرف ایک ساتھی کو ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جب ہم نے معاونین کا تنظیمی ڈھانچہ بنایا تو اس میں ہر رفیق تنظیم کو شامل ہونے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ۔ میرے نزدیک ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے ۔ اس پر گفتگو ہوئی ہے ۔ اللہ کرے کہ یہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی ان کے جوش اور وابستگی میں کوئی کمی نہ آئے میں دیکھتا رہا ہوں کہ اجتماع کی ان نشستوں میں انہوں نے بڑے جوش و خروش سے کام کیا ہے ہوسکتا ہے ان کا یہ اختلاف ختم ہوگیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ اب تک برقرار رہا ہو ۔ مجموعی اتفاق رائے اب یہ ہے کہ تحریک میں شدت پیدا کی جانی چاہیے ۔ اس شدت کا ایک غلط نتیجہ جو نکل سکتا ہے وہ میں بعد میں عرض کروں گا ۔ ہوسکتا ہے کوئی عدم توازن ہوجائے ' وہ بھی بعد کی بات ہے شدت سے مراد یہ ہے کہ اب اس کو قصبات تک پہنچایا جائے ۔ بڑے شہروں سے آگے بڑھ کے ضلعی ہیڈ کوارٹر تحصیل ہیڈ کوارٹر اور اہم قصبوں تک بات پہنچائی جائے ۔ اس کے ضمن میں یہ بات طے پائی ہے کہ یہ جلسے جو تحریک خلافت کے ہونگے ان میں میری شرکت نہیں ہوگی ۔

اس سطح کے جلسوں میں ہماری مقررین کی سیکنڈ لائن کو آگے آنا ہوگا جو تیار ہوچکی ہے ۔ اپنا ذاتی اثر و نفوذ اب اس درجے میں میں نہیں کرسکتا ۔ جو مواد میں نے دینا تھا ' وہ دے دیا ۔ اب وہ تقریروں میں ہے ' کیسٹس میں ہے وہاں سے لیں تیار کریں اور آگے پہنچائیں ۔

عملی اقدامات

اب جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ شوریٰ کی نہیں ' میری طرف سے ہے کہ آئندہ میرا جلسہ تین مہینے میں ایک سے زائد نہیں ہوگا ۔ منتظمین نوٹ کرلیں تاکہ وہ اسی کے مطابق منصوبہ بندی کریں اور کوشش یہ ہو کہ جلسہ خلافت کے اعتبار سے جو ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز رہ گئے ہوں ہم وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کریں ۔ دوسری ہدایت جو میں دینا چاہتا ہوں یہ کہ رات کے جلسے کے بعد (جیسا کہ اب موسم کا تقاضا ہے) اگلی صبح لازمی طور پر ملاقات اور سوال و جواب کی نشست کا اہتمام ہونا چاہیے جو پہلے ہم نے نہیں کیا ۔ لیکن اب ہر تین مہینے میں ایک جلسہ ہوگا تو یہ حلقہ وار ہونا چاہیے اور اس کے لئے پورا حلقہ متحرک ہو اور اپنی پوری قوت کار کو بروئے کار لائے ۔ اس کے لئے پہلے سے پبلسٹی ہوئی ہو ' بلے کارڈ لے کر محلے محلے میں گھومے ہوں ' یہ ساری محنت ہوئی ہو تب وہاں مجھے لے کر جائیں ۔ چھوٹے چھوٹے جلسوں میں اور فوری طور پر منعقد کئے گئے جلسوں میں میرا وقت صرف نہ کیا جائے ۔ اس تحریک کا آغاز کرنے میں جو میں نے صلاحیت خرچ کرنی تھی اللہ کے فضل سے وہ میں نے کردی ہے ۔

شوریٰ میں مظاہروں کا سلسلہ بھی زیر بحث آیا ۔ ایک رائے یہ سامنے آئی کہ یہ مظاہرے بے نتیجہ ہیں اور ایک لفظ سامنے آیا کہ یہ "خصی" مظاہرے ہیں ۔ آپ گھوم لئے ' پھر لئے نہ آپ نے کسی کو کچھ کہا نہ کسی نے آپ کو کچھ کہا ۔ اس سے تو کوئی بات بنتی نہیں ۔ جب کوئی ہنگامہ ہو توڑ پھوڑ ہو یا کم از کم آپ کو کوئی مار پڑے ' اس وقت تو بات ہوگی ۔ اس کے لئے تو کوئی چیلنج ہو ' یا اس سے ملتا جلتا کوئی انداز کوئی اقدام ہو ۔ یہ بات بڑے وزنی انداز میں احباب کی طرف سے آئی ہے لیکن جن چیزوں پر تقریباً اتفاق رائے ہوا وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں ۔ ایک یہ کہ یہ مظاہرے صحیح ہیں اور جاری رہنے چاہیں ۔ یہ بے نتیجہ اور خصی نہیں ہیں بلکہ ہمارے ایک ساتھی نے تو اس پر شدید احتجاج کیا کہ یہ لفظ استعمال نہیں ہونا چاہیے ۔ بہر حال مظاہرے جاری رہنے چاہیں بلکہ ان میں مزید پیش قدمی ہونی چاہیے مراد یہ ہے کہ یہ بڑے پیمانے پر ہوں اور ان کی کثرت نہ ہو لیکن جب بھی مظاہرہ ہو تو کم از کم پورے حلقے کی قوت وہاں پر آئی ہوئی ہو ۔ یا پھر پورے پاکستان کی سطح پر ریلیوں کی شکل میں ہوں ۔

ہمارے ایک صاحب کی طرف سے یہ رائے آئی تھی کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر بھی ریلی ہونی چاہیے ۔ تاہم ابھی نظام اسی طرح رہے گا اور میں اس رائے کو قبول نہیں کررہا ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ابھی ہمارے بہت سے ساتھی بنیادی فکر سے بھی آگاہ نہیں ہیں ۔ کیونکہ پڑھنے

وغیرہ کی عادت ہے نہیں ۔ اس لئے سالانہ اجتماع ابھی کچھ عرصے تک ہماری فکری تجدید اور تطہیر دونوں کے لئے استعمال ہوں گے ۔ ایک تو یہ کہ فکر میں پختگی پیدا ہو ' فکر کی تجدید ہو دوسرے یہ کہ تطہیر بھی ہو یعنی اگر کوئی غلط چیز شامل ہو رہی ہو تو سالانہ اجتماع کے ذریعے ہم اس کی کانٹ چھانٹ کرتے رہیں گویا فکر کی پختگی تذکیر اور تطہیر کے لئے ہمارے سالانہ اجتماعات وقف رہنے چاہیں ۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر ریلی سے ٹرانسپورٹ کے مسائل ہونگے پھر اس میں بہت سا وقت نکل جائے گا اور ساری توجہ اسی طرف مرکوز رہے گی ۔ یہ مظاہرے حلقہ وار ہوں اگر کل پاکستان ریلی ہو تو سالانہ اجتماع کے علاوہ کوئی اور دن ہو ۔ سب لوگ پہنچیں ' صبح سے شام تک کا پروگرام ہو اور اپنی استطاعت کے مطابق سب لوگ خود اپنی ٹرانسپورٹ اور رہائش کا بندوبست کریں ۔ مزید اضافہ یہ کیا گیا ہے کہ اب حساس مقامات پر بھی مظاہرے ہونے چاہیں ۔ فوجی مراکز ' گورنر ہاؤس ' پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر مظاہرے ہوں گے ۔ صرف گول باغ سے مال روڈ اور مال روڈ سے گول باغ تک جانے سے بات نہیں بنی ' اب آگے چلنا چاہیے ۔ اس میں پختہ فیصلہ یہ ہے کہ کسی تصادم کو دعوت نہ دی جائے ۔ اگر کوئی حساس مقام ہے اور وہاں آخری حد مقرر ہے تو وہاں پہنچ جائیے ۔ پھر کہا جائے کہ ہم پر امن طریقے سے آگے جانا چاہتے ہیں ' کوئی غلط حرکت نہیں ہوگی ' کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوگی ' اس کی ہم ضمانت دیتے ہیں ۔ یہ ہو تو ہم سب کو آپ جیل بھیج دیں ۔ پھر بھی وہ اگر روکتے ہیں تو ہاتھا پائی تک آنے کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے ۔ جب وہ وقت آئے گا تو اس کے بارے میں ہم سوچیں گے اور جو بھی ہدایت ہوگی دیں گے ۔

ایک اور بات جس پر ہمارے ہاں اتفاق رائے ہوا ' وہ یہ ہے کہ ہمارا اصل زور اپنے فکر کی پختگی ' اس کی اشاعت اور اس کی شدت پر ہونا چاہیے ۔ شدت کا لفظ میں نے اضافی استعمال کیا ہے ۔ یعنی یہ کہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس سے لوگوں کو چبھن محسوس ہو ۔ اپنے فکر کے ضمن میں ہم صرف مثبت بات کہہ کر نہ رک جائیں بلکہ جو چیزیں منکرات ہیں ' نام لے لے کر ان کا تذکرہ کیا جائے ۔ ہماری دعوت کا یہ رخ ہونا چاہیے ' اس لئے کہ ہمارے عام رفقاء کا فکر ابھی بہت خام ہے ۔ ان کے ذہن میں اس کا صغری کبری موجود نہیں ۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تربیت گاہوں میں آتے نہیں ' یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ تربیت گاہ میں آئیں ' سات دن نکالیں جس کا ایک نظام ہے ۔ اس میں بحث ہوتی ہے ' گفتگوئیں ہوتی ہیں اور بات واضح کی جاتی ہے ۔ اب اگر یہاں کھڑے ہو کر میں بنیادی مسائل پر گفتگو کروں تو یہ وقت کا ضیاع ہے ۔ یہ ساری چیزیں ہماری تربیت گاہوں میں بتائی جاتی ہیں ۔ مختلف جماعتوں سے ہمارا فرق کیا ہے ' ان کے اصول و مبادی کیا ہیں اور ہمارے کیا ؟۔ ہمارے مابین کیا چیز مشترک ہے اور کیا اختلاف ہے ؟۔ اس کے لئے تربیت گاہوں کا نظام قائم ہے ' ہم نے اظہار خیال کے لئے تو سیعی مشاورت کا جو نظام بنایا ہے ' اس میں کوئی آتا ہی نہیں ۔ یہ بھی در حقیقت اپنے نظام العمل کو نہ سمجھنا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ کوئی بالکل مبتدی رفیق بھی بڑی عمدہ بات کہہ سکتا ہے ۔ لہٰذا ہم نے تو سیعی مشاورت کا فورم رکھا کہ آئیں ' بات کریں ۔ ہم تو وہاں صرف سننے والے ہوتے ہیں ۔ میں یا میری مجلس عاملہ اور شوریٰ وہاں صرف سنتے ہیں ' جواب نہیں دیتے سوائے اس کے کہ کوئی استثنائی معاملہ ہو ۔ چنانچہ آئیے اور ہمیں سنائیے میں چاہتا ہوں کہ اس طرف بھی آپ توجہ فرمائیں اور جب بھی ہو وہ تو سیعی مشاورت بھرپور ہونی چاہیے ۔ ہم نے اس کے لئے چار دن رکھے تھے لیکن کبھی چار دن تک کارروائی جاری نہیں رہی ' ایک دن میں ختم ہو جاتی ہے کیونکہ لوگ آتے ہی نہیں جو طریق کار ہم نے بنائے ہیں اس کو بنانے میں ہماری بڑی محنتیں صرف ہوئی ہیں ' اس کو سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی حدود ' آداب اور طریقے کیا ہیں ۔ اظہار رائے کا حق کتنا ہے ۔ کہاں ہے کہاں نہیں ہے ۔ کہاں اس کے اوپر قدغن ہے کہاں آزادی ہے ۔ اس کے لئے کوئی ترتیب و تدریج ہے یا نہیں ۔ یہ ساری چیزیں اس میں موجود ہیں ۔

تربیت گاہوں کی طرف پوری توجہ ہونی چاہیے ۔ اگر ہمارا فکر پختہ ہو اور اس کے ابلاغ میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کے دو نتیجے نکلیں گے ۔ ایک یہ کہ جو نوخیز تحریکیں ہیں ان کو ہم اپنے فکر کے انجکشن لگا سکیں گے ۔ اللہ ان کے ذریعے سے کام لے لے تو ہمیں اور کیا چاہیے ہم تو خود ان کے ساتھی بن جائیں گے ۔ اس کام میں ہر شخص کو شعوری طور پر فیصلہ کر لینا چاہیے کہ کہیں بھی تکبر آڑے نہ آئے ۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کسی نوجوان کو ہم سے زیادہ صلاحیت عطا کردے ۔ میں نے جماعت حضرت شیخ الہندؒ والی کتاب میں حضرت شیخ الہندؒ کا جو سب سے بڑا وصف گنوایا ہے وہ یہ کہ حق کو قبول کرنے میں ان میں تکبر نہیں تھا ۔ انہوں نے اپنے بیٹوں سے بھی کم عمر کے ایک نوجوان ابوالکلام کے بارے میں کہا کہ اس نوجوان نے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے ۔ حالانکہ ابوالکلام جب الہلال اور البلاغ نکال رہے تھے تو ان کی عمر کل تئیس برس تھی اور حضرت شیخ الہندؒ شیخ المشیوخ ' استاذ الاساتذہ تھے ۔ یہ اعتراف سب سے بڑی عظمت ہے جو میں نے وہاں بیان کی ہے ۔ چنانچہ اس اعتبار سے ہمیں نفی ذات لئے تیار ہونا چاہیے ۔ لیکن جب تک ایسا معاملہ نہیں اس وقت تک ہمیں اپنے فکر کو پھیلانا ہے اور اس فکر کے انجکشن میں شدت ہوگی تبھی وہ اس خول کو پار کرے گا جس میں ہر تحریک اور جماعت اپنے ساتھیوں کو بند رکھنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ کوئی اور فکر ان کے نہ قریب آئے اور نہ ہی قریب سے گزرے جبکہ ہمارا رویہ ہمیشہ سے اس کے برعکس رہا ہے ۔ میں نے علمائے کرام کو بلا کر چھ دن اپنی پوری تنظیم کو ان کے سامنے بٹھائے رکھا کہ ان کی بات سنو دوسرا نتیجہ اس شدت کا یہ نکلے گا کہ مخالفت میں بھی شدت پیدا ہوگی اور یہ مخالفت کی شدت انقلابی تربیت کا جزو لازم ہے ۔

نظریاتی تصادم ہونا چاہیے

ہمارے بہت سے ساتھیوں نے اس طرف توجہ دلائی کہ ہمارے ساتھ تصادم کی نوعیت نہیں آرہی ۔ ابھی تک ہمارا تصادم گھریلو سطح پر ہے یا برادری کے ساتھ ہے ۔ گھر میں دنگا فساد ہے ' بیوی ناراض ہے یا یہ کہ برادریوں میں پردے یا دیگر رسومات کی وجہ سے لڑائیاں ہیں ۔ یہ چیزیں منظر عام پر نہیں آتیں ۔ لوگوں کو اس وقت پتہ چلے گا جب مار پڑے گی ۔ اگر ہماری دعوت میں شدت پیدا ہوگی تو مخالفت میں بھی شدت پیدا ہوگی ۔ گالیاں دی جائیں گی پھر وہ مہذب انداز میں اختلاف نہیں ہوگا بلکہ گالیاں سننی ہونگی اور یہ بہت ضروری ہے ہمارے ایک ساتھی نے ایک لفظ استعمال کیا ہے " ریڈیکل اسلام " یہ وہی لفظ ہے

جو ایک بڑے روزنامے کے فاضل کالم نویس نے حال ہی میں استعمال کیا ہے' یہ لفظ صحیح ہے اگرچہ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہے کہ کہیں ریڈیکل اسلام پیش کرنے والے کا نام نہ آنے پائے۔ ان کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں کہ کس کا نام لیا جائے کس کا نہ لیا جائے' لیکن ہم جو اسلام پیش کر رہے ہیں' وہ واقعی ریڈیکل اسلام ہے۔ جب تحریک خلافت کے ذریعے سے شدت پیدا ہوگی اور جاگیرداروں اور زمینداروں کو خطرے محسوس ہونے لگیں گے تو پھر وہ مرحلہ آئے گا۔ اس ریڈیکل اسلام کا پیش کرنا ضروری ہے اور جب ہمارے خلافت کے جلسے ہونگے تو ہمیں اسی پر زور دینا ہوگا۔

دو عملی تحفے

اس کے بعد دو عملی تحفے اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں۔ ایک بات اگرچہ بار بار اس اجتماع میں میری طرف سے آئی ہے لیکن اب میں اس کی اہمیت کے لئے علیحدہ سے نوٹ کر وا رہا ہوں۔ ہمارے فکر اور عمل دونوں میں توازن اور اعتدال ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ جمع اضداد یعنی جامعیت ہونی چاہیے اور یہی کام مشکل ہے یک رخا ذہن خوب چلتا ہے' خوب دوڑتا ہے۔ مصیبت تو دو دو تین تین اور چار چار ٹریک رکھنے والوں کو ہوتی ہے اور سب سے بڑا کامیاب انسان وہ ہے کہ جو مختلف راستوں میں تالیف کئے ہوئے ہو یہ معلوم ہو کہ کس چیز کی کیا اہمیت ہے اور پھر ان چیزوں میں تالیف ہو' ترتیب ہو' پھر ان میں توازن ہو اور اعتدال بھی۔ یہ در حقیقت صحیح کام کے لئے بہت بڑی شرط ہے۔ سورۂ واقعہ اور سورۂ رحمان یک دوسرے کا معکوس عکس ہیں۔ سورۂ رحمان ں (کائناتی توازن) کا ذکر ہے والسماء رفعھا و ضع المیزان الا تطغوا فی المیزان واقیموالو ز ن بالقسط ولا تخسروا المیزان" لوگوں نے ویسے ہی اس کو دوسرا میزان سمجھ لیا ہے نہ یہ ترازو والی میزان ہے نہ میزان شریعت ہے۔ یہ تو آسمان کی بلندی ہے۔ پوری کائنات کا مادی وجود اس توازن پر قائم ہے جو کشش ثقل کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہہ شیشہ گری کا

کسی ایک جگہ سے بھی وہ توازن اگر ہل جائے تو تمام ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے

اس کے ساتھ دوسری میزان وہ ہے جو شریعت کے ساتھ اتری ہے' کتاب کے ساتھ اتری ہے یہ وہ میزان ہے جس کا ذکر اگلی سورۂ حدید میں آگیا لقدا ارسلنار رسلنا و انزلنا معھم الکتب والمیزان" اور اس کی جوڑا بننے والی مکی سورت میں بھی یہی لفظ آیا " اللہ الذی انزل الکتب بالحق والمیزان" یہ میزان شریعت کی میزان ہے۔ یہ ہے نظام اور قانون کے مابین توازن کی میزان۔ یہ حقوق و فرائض کے مابین توازن کی میزان ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ کائناتی سطح پر بھی توازن اور اسی طرح شریعت میں' دین میں' انسانی زندگی میں بھی درحقیقت سب سے اہم چیز یہی توازن ہے۔ فرد اور جماعت کے مابین توازن' عورت اور مرد کے مابین توازن اور محنت اور سرمائے کے مابین توازن۔ یہی تین مسئلے لاینحل ہیں اور حل ہو ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ شریعت اور قرآن و سنت کی رہنمائی میں یعنی ان دو آنکھوں سے انسان انہیں نہیں دیکھے گا۔

اس اعتبار سے سب سے مشکل کام یہی توازن و اعتدال ہے یک رخی شخصیت بڑی تیز چلنے والی شے ہے لیکن توازن و اعتدال کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہے میں کہا کرتا ہوں کہ یہی دنیا کا پل صراط ہے حشر کے روز پل صراط سے بھی وہی گزر سکے گا جو یہاں اعتدال کے ساتھ افراط و تفریط سے بچ کر زندگی گزر جائے۔ ذرا ادھر ہوئے تو کھائی میں گر گئے اور ذرا ادھر ہوئے تو گڑھے میں گرے ایک بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستے پر چلنے کے لئے کم از کم شعوری کوشش تو ہونی چاہیے اگرچہ کامل توازن حاصل کرنا کارے دارد ہے کوئی اس کا مدعی ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر میری اس بات کو بقیہ انبیا کی توہین پر محمول نہ کیا جائے جس کی میری نیت ہرگز نہیں تو میں اپنے آپ کو یہ کہنے پر مجبور پاتا ہوں کہ کامل توازن دنیا میں صرف ایک شخص میں پایا گیا اور وہ محمد الرسول اللہ میں اور کہیں کامل توازن نہیں ملے گا۔ حضرت مسیح میں زہد کا غلبہ ہے۔ قانون کا استخفاف ہو رہا ہے کہ اس کو پہلا پتھر وہی مارے جس نے خود کبھی بد کاری نہ کی ہو۔ یہ اگرچہ بڑی تلخ حقیقت ہے جس کی طرف توجہ دلائی گئی لیکن شریعت یہ نہیں ہے۔ شریعت تو یہ ہے کہ جس پر زناء کا الزام ثابت ہو جائے اسے آپ نے سنگسار کرنا ہی ہے چاہے دلی ہمدردی کتنی ہی ہو۔ غامدی خاتون سے کتنی دلی ہمدردی تھی' تین چار دفعہ ٹالا حضرت ماعز سے کتنی ہمدردی تھی' کتنی دفعہ کہا کہ پاگل ہوگئے ہو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ذرا دیکھو اس کا منہ سونگھ کر کہیں شراب تو نہیں پی ہوئی' نشہ میں تو نہیں کہہ رہا۔ ایک طرف یہ رافت و رحمت تو دوسری طرف یہ ہے کہ پورے قبیلے کے جوان مردوں کو ذبح کروا دیا گویا کامل توازن آسان نہیں ہے۔ البتہ اس کے لئے شعوری کوشش انسان کرتا رہے' اپنی امکانی حد تک دیکھتا رہے۔

اس توازن کے سلسلے میں سب سے اہم نکتہ جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ ہے تحریک خلافت بمقابلہ استحکام تنظیم۔ اس میں پچھلے چھ مہینے میں عدم توازن ہوا ہے۔ مجھے اس کا احساس تھا لیکن اسے ایک ناگزیر برائی کے درجے میں قبول کیا گیا۔ ہم نے شوریٰ میں فیصلہ کیا تھا کہ ذرا دیکھیں تو سہی قوم میں اس کا رد عمل کیا ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر فیصلے کرنے تھے اور بحیثیت مجموعی اس تحریک کا رخ ادھر لے کر جانا تھا۔ اس کے لئے اضافی محنت کی گئی اور میں نے خود اپنے اوپر جو مشقت جھیلی' اس کا آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہے۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہی ۸۳-۱۹۸۰ کے زمانے کی توانیاں لوٹ آئی ہوں۔ تین تین سو میل کا سفر سڑک سے بھی ہو رہا ہے حالانکہ کمر کی تکلیف کے بعد میں اس سے بچتا رہا ہوں۔ اللہ نے توفیق دی لیکن اس سے درس قرآن کے ایک روزہ اور دو روزہ درس کے پروگراموں میں بڑا تعطل پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں عدم توازن نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ پہلے جو کر لیا وہ کر لیا' اب آگے گاڑی توازن کے ساتھ چلے گی اس میں "آگے دوڑ پیچھے چوڑ" ہوگیا تو وہ پھر گھاٹے والی بات ہے۔ اس میں ہمارا نقصان ہی نقصان ہوگا۔ لہٰذا دو روزہ سہ روزہ پروگراموں کو تحریک خلافت کے ساتھ منتھی کیا جائے تاکہ ہمارا نظم بھی برقرار رہے۔ قصبات میں جائیں' تیسیں لے کر نکلیں' کراچی' پشاور' پنڈی' جہاں بڑی بڑی تنظیمیں ہیں' وہاں سے نکلیں' دو روزے لگائیں۔ دیہات کے اندر جلسہ بھی کریں وہیں "پلے کارڈ" لے کر جائیں اسی میں تربیت بھی ہوگی' رات بسر کریں گے فجر کی نماز بھی ہوگی اور نوافل بھی ہوں

گے یہ کام اب اس نہج سے ہونا چاہیے کہ اس میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہوں ۔ ہمارے نظام العمل میں جو دو روزہ تین روزہ تفریغ اوقات ہے وہ بھی ہر رفیق کرے اور اس کے ذریعے سے تحریک خلافت متحرک ہوجائے گی۔

تربیت گاہوں پر زور پوری طرح سے رہنا چاہیے ۔ جہاں بھی کوئی ذمہ دار دورے میں جائے ' یہ بھی دیکھتا رہے کہ کون نہیں آیا ۔ کہیں کس کو آنا چاہیے تھا ۔ پھر وہ اس کو پی پی کال کرے کہ بھائی آپ ابھی تک نہیں آئے ہیں پہلی فرصت میں آیئے اور یہ کمی پوری کیجئے ' یہ نظر کا تقاضا ہے کہ عربی کی تحصیل تعلیم اور درس قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی تعطل پیدا نہیں ہونا چاہیے ہدایت کا منبع و سرچشمہ اور نور ایمان دراصل نور قرآن ہے ۔ گویا کہ دو کام ہمارے سامنے بالکل متوازی ہیں ۔ ایک کام ہے اس افشائے نور کا اور یہ سلسلہ اسی شدومد کے ساتھ اسی ذوق و شوق کے ساتھ جاری رہنا چاہیے ۔ جڑ بھی پھیلنی چاہیے ایسا نہ ہو درخت کے برگ و بار بڑھنے شروع ہوجائیں اور جڑ نہ پھیلے ۔ جتنا بڑا درخت ہوگا' جتنا بڑا تنا پھر جتنے زیادہ برگ و بار ہونگے جڑوں کو بھی اتنی ہی تیزی سے ادھر ادھر پھیلنا چاہیے ۔ اس کو متوازی اور متوازن ہونا چاہیے اس لئے کہ درحقیقت ہمارے دو کام ہی تو ہیں اگر چہ ہم نے ان کو تین میں تقسیم کردیا ہے ۔ لیکن درحقیقت دو ہی ہیں۔ قرآن اور اقامت دین کی عملی جدوجہد ۔

اقامت دین کی عملی جدوجہد کے لئے تنے کی حیثیت تنظیم کو حاصل ہے اور رابطہ عوام کے لئے تحریک خلافت درخت کے برگ و بار کی مانند ہے ۔ اسی لئے میں نے ان دونوں کو جمع کیا ہے رفقائے تنظیم اور تحریک کے نئے بننے والے معاونین کے نظام کو آپس میں جوڑ دیا ہے یہ یکجا ہو جائیں گے اور ان میں نسبت و تناسب وہی ہوگا جو جماعت اسلامی میں ارکان اور منتفقین کا ہے بہرحال رفیق ہونے کے اعتبار سے ہر رفیق برابر کا ہے لیکن معاونین رفیق شمار نہیں ہونگے ۔ چنانچہ اصل کام وہی ہیں اور ان دونوں کاموں میں ہم متوازی اور متوازن نہیں چلیں گے تو ہماری ناکامی یقینی ہوجائے گی۔

عدم توازن کی چند مثالیں

میری اس وقت کی گفتگو میں پہلا تحفہ علمی تھا وہ روحانی غذا ہے قرآن مجید کی سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۱۰ عملی تحفوں میں سے پہلا تحفہ یہی ہے جو ابھی بیان کیا ۔ اس ضمن میں نام لئے بغیر میں عدم توازن کی چند مثالیں دینا چاہتا ہوں ۔ لیکن ان لوگوں کو خود سمجھ لینا چاہیے جن کی طرف اشارہ ہے میں چونکہ مغرب کے وقت آیا ہوں تو اس سے پہلے دیکھا کہ کراچی کے ایک ساتھی کٹی پتنگ کی طرح پھر رہے تھے اور جب میں نے پوچھا آپ عصر کے بعد والے پروگرام میں کیوں نہیں گئے تو کہنے لگے میں نے سوچا تھا وہاں بس ہدایات ہی ہونگی ۔ میں نے ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھا بعد میں انہوں نے اگرچہ عذر بھی پیش کیا کہ رات جاگنے کی وجہ سے نیند زیادہ آئی ۔ اگر یہی عذر تھا تو اعتراض کی گنجائش نہ تھی کہ یہ طبعی معاملہ ہے ' طبیعت خراب ہوسکتی ہے لیکن یہ کہ جو پہلی بات کہی ' وہ بہت غیر متوازن ذہن کی عکاسی کرنے والی ہے ۔ یہ ہدایت گویا کہ بالکل غیر ضروری ہیں ؟۔ اگر آپ سمع نہیں کریں گے تو طاعت کہاں ہوگی ۔ طاعت کے لئے سمع لازم ہے فاسمعوا و اطیعو " سنو اور اطاعت کرو ۔ اگر آپ اس سمع سے ہی اپنے آپ کو بری کرلیں تو طاعت کا کیا سوال! اس سے بھی بہت زیادہ نمایاں مثال ہے ہمارے ایک اور ساتھی کی۔ اللہ نے ان کو بڑی صلاحیت دی ' عربی کی تدریس اور قرآن مجید کے درس کے اعتبار سے میرے چوٹی کے ساتھیوں میں انکا شمار ہوتا ہے لیکن تنظیم میں صفر آج تک ملتزم رفیق بھی نہیں بنے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر صلاحیت کے باوجود اس مرتبہ مدرسین میں انہیں میں نے شامل نہیں کیا ۔ جو ملتزم نہ بنے ' ہم تنظیم کا پلیٹ فارم انہیں نہیں دیں گے یہاں پاکستان میں بڑے سے بڑے علامہ بیٹھے ہوئے ہیں لیکن آپ نے صحیح فکر لے لیا ہے اور اسے بیان بھی کرسکتے ہیں پھر بھی نظم کی پابندی کرنے کو تیار نہیں تو ہمارے ہاں آپ کی قیمت ایک دھیلے کی نہیں ۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی ساتھی سقراط بقراط بن جائے لیکن نظم کی پابندی نہ کرے تو وہ تنظیم کے لئے بیکار ہے ۔ صرف اپنا ایک نقشہ بنا لینا کافی نہیں ۔ ملتزم ہوں اس کی ساری شرائط کو پورا کریں ' تمام مراحل طے کریں تب ہمارے کام کے ہوں گے پھر یہ سمجھ لینا کہ میں تو تنظیم کو ایک پیسہ دینے کے لئے تیار نہیں ' میرے کچھ قریبی ہیں رفقاء ہیں اور میری مدد کے زیادہ مستحق ہیں تو یہ غلط بات ہے ۔ رفقاء کے لئے صدقات کا کھاتہ کھلا ہوا ہے اور تنظیم کے نظام العمل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے لیکن تنظیم میں اگر آپ ماہانہ اعانت نہیں دیں گے تو آپ مجرم ہیں اور مجرم ہونگے تو آپ ملتزم کبھی شمار نہیں ہونگے ۔ ملتزم نہیں ہونگے تو آپ تنظیم کے تنظیمی ڈھانچے کے اندر نہیں آسکیں گے ۔ آئندہ کے لئے میں سخت تنبیہہ دے رہا ہوں کہ اس میں توازن کی ضرورت ہے ۔ دونوں کام اپنی جگہ پر توازن کے ساتھ ہونے چاہیں اگر توازن نہیں ہوگا تو ہماری گاڑی نہیں چلے گی ۔ ہم ایسے افراد کی صلاحیت سے جتنا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اٹھائیں گے لیکن ہم انہیں اپنا اصل اثاثہ شمار نہیں کرسکتے ۔

نظام بیعت کے مضمرات

دوسرا عملی تحفہ نظام بیعت کے بارے میں ہے ۔ بیعت کے لوازم کے بارے میں مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ابھی تک اچھے اچھے لوگوں پر واضح نہیں ۔ اصولی طور پر بات تسلیم کرلی گئی ہے کچھ وزنی بھی ہے دل کو لگتی ہے ۔ کتاب و سنت میں دلائل بھی ہیں ' کیا کریں متفق علیہ حدیث بھی ہے ' ساری چیزیں ہیں سب ٹھیک ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس حد تک بھی بات آگئی ' لیکن اس کے کچھ مضمرات و مقدارت ہیں جن کو میں آج پھر کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں ۔ ان کا بھی درجہ بدرجہ انکشاف ہوگا لیکن اس تدریج میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ تاہم اس کی باریکیوں میں جا کر اور گہرائیوں میں اتر کر بتایا جانا چاہیے تاکہ تذکیر ہو ۔ پہلے یہ سمجھے کہ بیعت کیا ہے اور کوئی کسی سے بیعت کیوں کرتا ہے ؟۔ ظاہر ہے کہ جتنا گہرا کسی کے اندر احساس فرض ہوگا اتنی ہی اضطراری کیفیت ہوگی اس کی ادائیگی کے لئے ضرور اپنے آپ کو کسی کے ساتھ منسلک کیا جائے بھوک شدید ہو تو انسان کو سوکھی روٹی میں بھی تنجن اور پلاؤ کی لذت آئے گی بھوک نہیں تو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کی طرف بھی رغبت نہیں ہوگی اور احساس فرض بھی ایک بھوک ہی ہے اگر تو یہ تصور ہو کہ اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے تو آدمی بیٹھا نہیں رہ سکتا ۔ بہت اعلیٰ غذا نہیں ملے گی تو کم پر گزارہ کرلے گا لیکن روٹی کے بغیر تو گزارہ نہیں ۔ اسی طرح اگر روحانی پیٹ کھانے کو مانگے گا تو سوچ کا انداز بدل جائے گا ورنہ آپ مرد کامل کے

انتظار میں بیٹھے رہیے نبوت کا دروازہ بند ہوچکا' اب کوئی معصوم نہیں تو مرد کامل کہاں سے ملے گا!

اگلا سوال یہ سامنے آئے گا کہ کسی سے بیعت کس بنیاد پر ہو' اس سلسلے میں دو امور فیصلہ کن ہوں گے ایک تو اس کی سوچ اور فکر سے مجموعی اتفاق کیونکہ کامل اتفاق دو انسانوں میں ہو ہی نہیں سکتا ۔ اگر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی خلاقیت محدود ہے اور اس نے انسانوں میں کاربن کاپیاں بھی بنائی ہیں جو نہیں بنائیں ۔ اس کے ہاں تو بو قلمونی ہے یکسانیت نہیں ۔ دو انسانوں کے مزاج ایک نہیں ہیں' مزاج کیا ایک جیسا ہوگا دو انسانوں کے انگوٹھوں کے نشان تک ایک جیسے نہیں گویا کہیں نہ کہیں جزوی اختلاف ہوگا لیکن اصولی اعتبار سے مجموعی طور پر ایک بلیو پرنٹ پر اتفاق ہوجانا کافی ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس پر دل اعتماد ہوجائے ۔ یقین تو نہیں ہوسکتا کیونکہ دلوں کی نیت اللہ ہی جانتا ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے ۔ جس حد تک دیانت داری سے رائے قائم کرسکتا ہو اور دل گواہی دے دے کہ یہ بہروپیا نہیں ہے اور یہ اقامت دین کے کام کی اوٹ میں دنیا کا کاروبار نہیں کررہا تو بیعت فرض ہے ۔ پھر اس سے انحراف کی اجازت نہیں اور بیعت کو توڑا نہیں جاسکتا سوائے دو صورتوں کے ۔ ایک مرتبہ اگر متذکرہ بالا دو مراحل کو طے کرکے بیعت کی ہے تو کسی وقتی تدبیر سے اختلاف کرکے علیحدگی اختیار کرلینا میرے نزدیک حرام ہے ۔ ہرگز جائز نہیں' الا یہ کہ ثابت کردیا جائے کہ وہ خاص تدبیر کتاب و سنت کے منافی ہے ۔ منکر میں اطاعت نہیں ہوگی لیکن منکر کو ثابت کرنے کے لئے حدیث یہ ہے کہ "الا ان ترو ا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان" سوائے اس کے کہ تم کفر صریح دیکھو اور اس کے لئے تمہارے پاس کتاب و سنت سے دلیل موجود ہو ۔ وہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ لا سمع ولا طاعۃ اور اپنا راستہ جدا کرلینا آپ پر فرض ہوگا لیکن بیعت سمع و طاعت کے بعد محض تدبیر کے اختلاف پر بیعت توڑنا میرے نزدیک جائز نہیں ۔

دوسری صورت یہ کہ یہ خیال پیدا ہوجائے کہ جس سے بیعت کی اس کی تو نیت ہی میں فتور ہے کیونکہ جب تک نیت پر اعتماد ہو تب تک اختلاف دور ہو سکتا ہے سوچ کا انداز یہ ہوگا کہ میں بات کہتا رہوں گا اور آخر کار اللہ تعالیٰ ان کے دل کو بدل دے گا ورنہ غلط بات کے نتائج نکلنے پر تو وہ خود ہی باز آجائیں گے گویا اختلاف برقرار رہ سکتا ہے لیکن جو اس کے مناسب راستے ہیں' وہی اختیار کئے جائیں تاہم اگر محسوس ہو کہ اس شخص کی نیت میں فتور ہے یا یہ کہ ٹھیک چلا تھا لیکن شیطان نے بعد میں چکمہ دیا اور نیت غلط ہوگئی تو علیحدگی بھی فرض ہے ۔ اپنے دل سے پوچھیے کیونکہ آپ اپنے ضمیر کے علاوہ اللہ کے ہاں بھی مسئول ہونگے تاہم یہ فیصلہ شعوری ہونا چاہیے ۔ شعوری سے مراد یہ کہ ایسے ہی کبھی دل میں کوئی وسوسہ نہ آجائے ۔ وسوسے تو ہر کسی کے متعلق آتے ہی رہتے ہیں ۔ وسوسے تو صحابہ کرامؓ کو بھی ایسے ایسے آتے تھے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہتے تھے ہمارے دل میں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم ان کو بیان کرنے کی بجائے اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ ہمیں آگ میں جلا دیا جائے ۔ حضورؐ نے فرمایا کیا واقعی تم لوگ ایسا محسوس کرتے ہو ؟۔ عرض کیا ہاں تو فرمایا یہی تو ایمان ہے ۔ وسوسہ آئے اور اس پر شدت کے ساتھ رد عمل پیدا ہو تو یہی ایمان ہے ۔

بہر حال اگر نیت اور خلوص پر اعتماد نہیں رہا تو انسان کو شعوری طور پر فیصلہ کرنا اور پھر اس کا اعلان کرنا چاہیے ۔ یہ نہیں کہ کام تو اچھا ہے' نیت بھی صحیح ہے لیکن .....! یہ لیکن ایک دھوکہ ہے' فراڈ ہے یا تو صاف کہا جائے کہ نیت درست نہیں ورنہ درویشی کا یہ انداز اختیار کرنا کہ نہیں صاحب میں نیت پر تو شک نہیں کرسکتا لیکن بس یہ ہے' وہ ہے ہرگز کوئی معقول رویہ نہیں ۔ بیعت سمع و طاعت وہ چیز نہیں ہے کہ یوں آسانی کے ساتھ تعلق توڑیں اور چل دیں اور یہ نتیجہ ہے اصل بات کو نہ سمجھنے کا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محض اختلاف کی بنیاد پر علیحدہ ہونا جائز نہیں الا یہ کہ آپ کے پاس برہان ہو کہ یہ بات منکرات کی فہرست میں آگئی ہے ۔ یا پھر نیت پر شبہ ہوگیا ہے تو آپ برملا کہیں۔ اس کے سوا فسخ بیعت کی کوئی صورت جائز نہیں ہے ۔

ضرورت ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنے ذہن کو صاف کرے اگر یہ دو شرطیں پوری ہو رہی ہیں یعنی میرے فکر سے مجموعی اتفاق ہے اور دل گواہی بھی دیتا ہے کہ میری نیت نیک ہے تو پھر شعوری طور پر اپنے دل میں تجدید بیعت کرلیجئے اور پھر اس کے لوازمات پورے کرنے کی طرف پوری توجہ دیجئے ۔ یہ دنیوی معاملہ نہیں' بیعت جیسا دینی معاملہ ہے جس کے بارے میں ہے کہ جو وفا کرے گا اس کا درجہ بہت بلند ہے لیکن جس نے اس کو فسخ کیا فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ اس کا سارا وبال فسخ کرنے والے پر ہوگا' میرا اس میں کوئی نقصان نہیں ۔

ایک اور اہم بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ایثار انا کے باب میں ہے ۔ منافق یہ کہتے تھے کہ آخر یہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تو انسان ہیں' ان کی بات کیوں مانیں ہاں اللہ کا جو پیغام پہنچا دیا وہ مانیں گے اور یہ کہ ھل لنا من الامر من شئی " فیصلہ کرنے میں ہماری رائے کی بھی کوئی حیثیت ہے یا نہیں ! آخر قرآن کی آیت تو نہیں تھی کہ غزوہ احد میں باہر جاکر مقابلہ کیا جائے ۔ یہ تو حضورؐ کی اجتہادی رائے تھی ۔ اس فیصلے کو ہم کیوں مانیں ۔ یہ ہے انا کا اصل مسئلہ خوب سمجھ لیجئے کہ بیعت کے بعد تو ایثار انا کرنا ہوگا کہ میری جو بات کتاب و سنت کے خلاف ثابت نہیں کی جاسکتی' اس میں آپ کی رائے کتنی ہی خلاف ہو' اطاعت تو کرنی ہے ۔ اس میں اصل چیز شخصیت اور انا کا ایثار ہے اور یہی کٹھن منزل ہے کیونکہ انسان کا اصل مرض تکبر ہے جیسے کہ اس آیت میں آیا جو میں نے آج پڑھی ہے "استکبارا فی الارض " شیطنت بھی تکبر ہی کا نام ہے "ابی واستکبر وکان من الکافرین" پھر میرے رفقاء میں کسی کو یہ خیال بھی ہوسکتا ہے عبادات میں وہ مجھ سے افضل ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ اتباع سنت میں مجھ سے آگے ہو اور کسی کا ایسا ہی کوئی اور خیال ہوسکتا ہے تو میں یہ بات مانتا ہوں کہ کوئی بھی ساتھی کسی معاملے میں مجھ سے آگے ہوسکتا ہے تاہم اس سے میرا یہ تعلق تو دو چیزوں پر ہے' میرے فکر سے مجموعی اتفاق پر اور میری نیت کے صحیح ہونے پر ان دونوں چیزوں میں اگر کوئی گڑبڑ نہیں تو پھر چھوڑنے کا جواز نہیں ۔۔

کچھ ذاتی فیصلے

آخر میں میرے کچھ ذاتی فیصلے ہیں جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں ۔ پہلا فیصلہ یہ ہے کہ میں اب تدریجاً پس منظر میں چلا جاؤں گا ۔ میری رو پوشی جو اس اجتماع میں رہی' آگے بڑھے گی ۔ میں چاہتا ہوں کہ اب میری دوسری صف آگے آئے'

(باقی صفحہ 19 پر)

حریف ڈیمو کریٹک پارٹی کے ایک صدارتی امید وار کی

چشم کشا باتیں جو صدر جارج بش کے سیاسی اسیر ہیں

مشرق وسطیٰ میں

ایک نئی تیس سالہ جنگ!

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

میں نے حالیہ دنوں میں شاید پہلے سے کہیں زیادہ زور دے کر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۴۵ء کا عرصہ جو دو عالمی جنگوں کا دور کہلاتا ہے ' انسانی تمدن کے لئے سخت بحرانی دور تھا۔ اس سارے بحران کے پس پردہ درحقیقت برطانیہ کا ایک منصوبہ کار فرما تھا جس کا اولین ہدف فرانسیسی مدبر جبرائیل ہینو ٹاکس Gabriel Hanotau'x تھا۔ فرانس کے ہینو ٹاکس' روس کے سرگئی Sergei اور کاؤنٹ وٹی Count Witte کے پیش نظر جرمنی اور جاپان وغیرہ کی اہم شخصیات کے ساتھ مل کر اشتراک عمل کا جو منصوبہ تھا اسے ناکام بنانے میں جس قوت کو اہمیت حاصل تھی اس سے آگاہ ہوئے بغیر موجودہ عالمی صورت حال کے بارے میں کسی قسم کی قیاس آرائی مشکل ہے۔

فرانس کے جبرائیل ہینو ٹاکس کی سرکردگی میں ہونے والی ان مشترکہ کوششوں کا مقصد یورپ کو اس تباہ کن حالت سے نجات دلانا تھا جو برطانیہ کی سامراجی حکمت عملی اور یورپ میں طاقت کا توازن بگاڑنے کے نتیجہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ روس میں صنعتی ترقی کی اٹھان کا اثر برطانیہ مخالف جاپانی حلقوں اور چین میں آزادی کی جدوجہد کرنے والے گروہوں تک پھیل رہا تھا۔ یوں سارے یوریشیا میں باہمی تعاون کا ایک خطہ وجود میں آسکتا تھا جو یقیناً انسانیت کے لئے بھلائی کا موجب ہوتا مگر برطانیہ نے جو اپنا عالمی تسلط برقرار رکھنے پر مصر تھا' اسے اپنے لئے خطرہ سے تعبیر کیا اور یہ برطانیہ کے بھی دراصل اس مخصوص حکمران طبقہ کا رد عمل تھا جو آزاد خیال "Liberal" کہلاتا ہے اور جسے ڈیوک آف مارلبرو کے عہد سے بالخصوص جارج اول کی تخت نشینی کے بعد اقتدار حاصل رہا۔ یہی برطانیہ میں "آزاد خیالی" کے آغاز کا دور بھی بنا۔

امریکہ کی برطانیہ سے حریفانہ کشمکش جو عملاً ۱۷۷۵ء سے ۶۴-۱۸۳۶ء تک جاری رہی' اس کا باعث بھی یہی برطانوی رویہ تھا جس نے بنجمن فرینکلن کی قیادت میں امریکیوں کو مجبوراً برطانیہ کے مقابل لا کھڑا کیا۔ امریکہ میں خانہ جنگی کا طویل دور شروع کروانے کی کوشش میں نپولین سوم نے بھی برطانیہ کا ساتھ دیا تھا اور اس پورے جھگڑے کی بنیادی وجہ برطانیہ کی دوسری قوموں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کی خواہش تھی تاکہ اس کا عالمی غلبہ قائم رہے۔ قوموں کے بنیادی حقوق اور مفادات ہمارے نزدیک مندرجہ ذیل تھے۔

جدید قومی ریاست کے حقوق ومفادات

گو ۱۹۴۵ء سے قبل بھی بعض شرائط کے ساتھ محض آزادی کا تصور موجود تھا مگر جدید تہذیب اب یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اقوام کے حقوق بھی واضح طور پر متعین کئے جا سکیں جن میں معاشی ترقی' سائنسی اور ٹیکنیکی معلومات سے استفادے کے علاوہ سامراجی و نو آبادیاتی نظام یا آجکل کے نو آبادیاتی عزائم سے آزادی حاصل کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ لوگوں کو یہ حق بھی ہونا چاہیے کہ ایسے مظالم کے خلاف آواز بلند کر سکیں جس طرح کے برطانیہ نے اپنے دور حکومت میں مقبوضہ ہندوستان میں روا رکھے مثلاً قحط کے سے حالات پیدا کر کے نسل کشی کے ذریعہ آبادی میں اضافے اور سیاست کو کنٹرول کرنے کی برطانوی حکمت عملی جس نے منظم اداروں کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس طرح کے انسانیت سوز حربے استعمال کرنا یورپ کی عیسائی تہذیب سے ہرگز کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔

برطانیہ اور اس کے حواریوں نے ایک طرف تو طاقت کا توازن اپنے حق میں کرنے کے لئے برطانیہ اور فرانس کے درمیان تعلقات میں

امریکہ کے آئندہ انتخابات میں موجودہ صدر بش کے حریف ڈیمو کریٹک پارٹی کے صدارتی امید وار لندن ایچ لا روشی جونیئر (Lyndon H. Larouche Jr.) کی تقاریر میں بعض بڑی ہی چشم کشا حقیقتوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یوں تو انہیں مخالفانہ پروپیگنڈہ ہی کا نام دیا جائے گا لیکن ظاہر ہے کہ ان کی باتوں میں جن واقعات کی نشاندہی کی جاتی ہے وہ یکسر بے بنیاد نہیں ہوسکتے کہ آخر تو وہ امریکی صدارت جیسے اہم عالمی منصب کے امید وار ہیں اور غیر ذمہ دارانہ گفتگو اس قد کاٹھ کے سیاستدان کو زیب نہیں دیتی۔ ذیل کا ایک اقتباس ان کے مشاہدات سے ماخوذ ہے جو "مشرق وسطیٰ میں ایک نئی تیس سالہ جنگ" کے عنوان سے برلن (جرمنی) یورپ کے مستقبل پر منعقد ہونے والی ایک کانفرنس کو جرمن زبان میں ترجمہ کر کے پیش کئے گئے۔ ڈیمو کریٹک صدارتی امید وار کے چند دیگر عالمی مسائل و واقعات پر تجزیے آئندہ اشاعتوں میں بھی پیش کئے جاتے رہیں گے جن میں ہمارے لئے کئی نئے انکشافات موجود ہیں --- مدیر

گرم جوشی کا اہتمام کیا تاکہ فرانس کے جرمنی، روس اور جاپان وغیرہ سے تعاون کی راہ ہموار نہ ہونے پائے اور ساتھ ہی دوسری طرف مغرب میں عیسائی تہذیب کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے شیطانی عمل کو بھی تقویت دی۔ میں زور دے کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہیو ٹاکس 'وٹی اور جرمن شاعر' ڈرامہ نگار فریڈرک شلر Friedrich Schiller جیسے لوگوں کے افکار و نظریات کے خلاف برطانیہ کے فریڈرک نطشے Friedrieh Nietzsche اور آکسفورڈ اور کیمبرج سے شروع ہونے والی تحریک فی الواقع شیطانی تحریک تھی جو بعض 'فری میسن' اصولوں کی آمیزش سے "فلسفیانہ دین" کی شکل میں پیش کی گئی اور جسے بنجمن جوٹ "Benjamin Jowett" اور جان رسکن "John Ruskin" جیسے لوگوں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ بعد میں بینیٹو مسولینی، ایڈولف ہٹلر اور اس کے پیروکار مارٹن ہیگر "Martin Heidgger" کارل جسپرز "Karl Jaspers" وغیرہ بھی اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوگئے اگرچہ ہٹلر ہی کے کچھ دوسرے رفقاء جن میں فرینکفرٹ مکتبہ فکر کے تھیوڈور اڈارنو "Theodor Adorno" شامل تھے، بعض فنی اختلافات کی بنا پر اس تحریک سے لاتعلق رہے۔

اس تحریک کے نتیجہ میں جنونی رقص، منشیات اور فحاشی (Rock-drug _ Sex) کی ثقافت وجود میں آئی۔ تحریک کے بانیوں نے موجودہ صدی کے اواخر تک سقراط اور مسیح سے وابستگی پر منحصر بقول ان کے "گندی" تہذیب کی جگہ جس "پاک صاف" معاشرے کا نقشہ تیار کیا تھا، وہ آج ہماری اپنی آنکھوں کے سامنے ہے اور ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۵ء تک کی خوفناک جنگیں اور بیسویں صدی کی برٹرینڈ رسل جیسی بد ترین شخصیتیں اس تحریک کا مظہر ہیں۔ آج پھر ہمیں واپس ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۵ء کے دور کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ براعظم یورپ میں معاشی تعاون اور روس، جاپان اور چین کی تکنیکی ترقی میں رکاوٹیں ڈالنے کی وہی کوششیں اب بھی جاری ہیں۔ ضبط تولید پر مبنی ثقافت کا پرچارک یہ اینگلو امریکن ٹولہ ایک نئی طاقت بن کر ابھرا ہے جو معقولیت کی زندگی اور لوگوں میں ترقی کے جذبے کو دیکھنے کا روادار نہیں اور اسے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ قومی آزادی، قومی ثقافت اور سائنسی و تکنیکی مہارت غرض کہ کوئی بھی مثبت جذبہ جہاں پیدا ہونے لگتا ہے، وہیں اس کا گلا دبا دیا جاتا ہے

یہی اینگلو امریکن ٹولہ جرمنوں کی مرضی کے خلاف ہٹلر کو اقتدار میں لایا تھا اور چرچل سمیت یہی سب لوگ ۱۹۳۸ء تک اٹلی میں مسولینی کو طاقت فراہم کرتے رہے۔ اب یہ حقیقت راز نہیں رہنی چاہیے کہ ماٹنگو نارمن، نسلی تعصب کے باوا آدم ایرل ہری مین اور امریکی صدر جارج بش کے والد پرسکارٹ بش (جو ہری مین کے افسر اعلیٰ تھے) مدد نہ کرتے تو ۳۳-۱۹۳۲ء میں ہٹلر کبھی اقتدار میں نہ ہوتا۔ جو کچھ یہ لوگ کر رہے تھے اس کا انہیں پورا شعور حاصل تھا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے نتائج کا انہیں اندازہ نہ رہا ہو۔

مشرق و مغرب میں توازن کا مسئلہ

جنگ کے اختتام پر ان لوگوں نے اسٹالن کے روس اور اینگلو امریکن بلاک کے درمیان عالمی توازن کا مسئلہ اس طرح طے کیا کہ روس کی حیثیت ثانوی رکھی گئی۔ اینگلو امریکن بلاک کے پیش نظر روس کے ساتھ مل کر دنیا پر حکمرانی کرنا تھا اور اس کام کے لئے اقوام متحدہ کا ادارہ استعمال کیا جانا طے پایا۔ مگر جنگ سے قبل کے حالات پر چرچل اور اسٹالن کے درمیان اختلافات کے باعث اقوام متحدہ کو پوری طرح سامراج کے آلہ کار کی شکل نہ دی جاسکی اور یہ منصوبہ توقعات کے مطابق کامیاب نہ ہوسکا۔ پھر سٹالن کے مرنے کے بعد برٹرینڈ رسل کے توسط سے خروشیف کے ساتھ مذاکرات ہوئے مگر کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ ہوسکی، البتہ جان ایف کینیڈی کے قتل کے بعد رچرڈ نکسن اور جیرالڈ فورڈ کے زمانے میں ہنری کسنجر عملاً صدر رہے تو یہ توازن دوبارہ قائم کرلیا گیا اور ۸۹-۱۹۸۶ء کے عرصہ میں اس پر کامیابی کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔

ایک نئی تیس سالہ جنگ

تاہم یہ توازن اس بار سرے سے ناپید ہوچکا ہے۔ عالمی طاقتوں کے درمیان اندر خانے طے پانے والے سمجھوتے ہمیشہ کے لئے حقائق کا قلع قمع نہیں کرسکتے چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر آگئے تھے۔ ضروری نہیں یہ جنگ بھی پہلی دو جنگوں کی طرح ہوتی مگر اس کا سبب وہی وقتی مصلحتوں کا تانا بانا ہوتا تھا۔ قدیم یونانی جنگ تیس سال جاری رہی، وسطی یورپ کی تیس سالہ جنگ جو ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۵ء تک کے عرصہ پر محیط تھی دراصل اسی یونانی جنگ کا تسلسل تھی اور اب ہم جس ہمہ جہتی تصادم سے خائف تھے، اس کے پیچھے بھی وہی قوت کار فرما رہی ہے۔ یہ تصادم جو بڑی تیزی اور شدت کے ساتھ پھیل رہا تھا، یقینی طور پر ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر منتج ہو کر اس پورے کرۂ ارضی کو بھسم کر دیتا۔

کم از کم ۱۹۸۶ء کے بعد برطانیہ کا آزاد خیال طبقہ نمایاں طور پر سب سے آگے دکھائی دے رہا ہے۔ اسے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں اس لئے بھی کامیابی ہو رہی ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی فرانس چپکے چپکے اس کا ساتھ دے رہا ہے جبکہ باقی پوری دنیا حسب سابق دم سادھے خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہی ہے، حتیٰ کہ آئی۔ ایم۔ ایف کی معاشی پابندیوں اور اس طرح کی یک طرفہ پالیسیوں پر انگلی اٹھانے کی بھی کسی میں ہمت نہیں۔ ذرائع ابلاغ جن مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کی حیثیت روز مرہ کی گپ شپ سے زیادہ نہیں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ یورپی تمدن کی تاریخ میں ایک خاص عنصر کینسر کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے جسے "آزاد خیالی" کی تحریک نے تیز تر کردیا۔ ۱۸۱۵ء کی ویانا کانگرس کے موقعہ پر اور بعد میں اس صدی کے دوران میں برطانیہ کا جو کردار رہا ہے، اس سے یہ مرض پوری طرح واضح ہوگیا ہے۔ دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے اس کا علاج تلاش کرنا ازبس ضروری ہے۔

توازن اقتدار میں برطانیہ کی خواہشات ہی مسئلہ نہیں ان کی تکمیل کے لئے استعمال ہونے والے ذرائع بھی غور طلب ہیں کیونکہ برطانوی ذہن امریکی طاقت کے علاوہ ماسکو کو بھی کام میں لاکر اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔

جرائم پیشہ طبقہ کا اقتدار

آئی۔ ایم۔ ایف کی پابندیاں یا آزاد تجارتی حکمت عملی جن میں صحیح یا غلط، سچ یا جھوٹ اور ظلم یا انصاف کی کوئی تمیز نہیں روا رکھی جاتی، آزاد خیالی، کی اجارہ داری اور نازی قانون کی علمداری کے سوا کچھ نہیں۔ عیسائی تہذیب بعض اصولوں پر مبنی تھی یعنی کسی بھی قوم یا اس کے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

بقیہ : افتتاحیہ

کے بعد " موت کے کنویں" میں چھلانگ لگا کر وہاں کی مسجد میں شکرانے کے نفل ادا کرنے پر داد وصول کرنے سے فرصت نہیں پا رہے۔ اس بار وہ شتابی سے منصورہ کا چکر نہ لگا سکیں گے بلکہ شاید قاضی صاحب کو ترت بلاوا بھی نہ بھیجیں جس کے بعد امیر جماعت ' قاضی حسین احمد صاحب کے دل کی کدورت بالعموم دھل جایا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ شریفوں کا طریقہ تو یہی چلا آتا ہے کہ جب گلے سے لگ گئے ' سارا گلہ جاتا رہا۔

جماعت اسلامی نے میاں نواز شریف کی حکومت پر الزامات کی جو فہرست جاری کی ہے اس میں اضافہ تو ہو سکتا ہے ' کمی نہیں کی جا سکتی اور اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ہمیں ہرگز کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ ملک کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تلافی کی کوئی صورت بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لیکن کیا جماعت اسلامی کو بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برعظیم ہندو پاک کے مسلمانوں کو جن عزائم کی تکمیل کے لئے یہ آزاد و خود مختار ملک عطا کیا تھا ' وہ اس وقت تک پورے نہ ہوں گے جب تک یہاں انقلابی عمل کے ذریعے پورے نظام کو نہ بدلا جائے۔ انتخابات کے ذریعے ذاتی یا مالی آ گئی ہو ... ہمایوں سے اس متعفن وجود کے کس حصے کا علاج وہ کر سکتی تھی یا اب تک کر پائی ہے۔ کیا حقیقت ... نہیں کہ تن ہمہ داغ داغ شد ' پنبہ کجا کجا نہم ؟۔ ○○

بقیہ مشرق وسطیٰ میں

قوانین کا قانون قدرت کے تابع رہنا لازم تھا لیکن اس کے برعکس "اثبات پسندوں" (Positivists) کے نزدیک سچائی اور قانون قدرت کوئی شے نہیں۔ حکومتی ادارے جن پر ان کا قبضہ ہے ' جو فیصلہ کریں وہی سب روا ہے۔ خود امریکہ کی مثال لے لیں ' روز ویلٹ کے زمانے سے تعزیری قوانین میں مسلسل تبدیلی لائی جارہی ہے۔ پہلے کسی جرم کے صدور پر حکومت کی ذمہ داری تھی کہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں کا سراغ لگائے اور معاشرے کے اجتماعی مفاد کو مد نظر رکھ کر مجرموں کو سزا دلائے ' اب اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ حکومت کو جرائم کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ خود بش انتظامیہ کا منشیات کے کاروبار میں ملوث ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ کاروبار گلی گلی پھیل چکا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی رقص ' منشیات اور فحاشی کی ثقافت ہمیں تباہ کر رہی ہے ' جبکہ پوری انتظامیہ صدر بش اور اس کے حواریوں کے ذاتی احکامات بجا لانے پر مامور ہے اور بش انتظامیہ کی توجہ صرف اپنے مخالفین پر رہتی ہے۔ پہلے ان کی گرفتاری کا فیصلہ ہوتا ہے ' پھر انتظامیہ ان کے خلاف جرم تلاش کرتی ہے اور اکثر یہ الزام سازش کا ہوتا ہے۔

ہمیں بدی کو براہ راست اس کا نام لے کر للکارنا ہوگا ورنہ یہ کرۂ ارض مشرق وسطیٰ میں ایک اور تیس سالہ جنگ کے نتیجہ میں تباہ ہوجائے گا۔ یہ تباہی ایسی ہوگی جو انسانوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ لوگ نابالغ نہیں ہیں ' ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارنے سے کچھ حاصل نہیں ' دشمن کو پہچاننے اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ٹھانئے۔ اپنی ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ○○

بقیہ : گوجرانوالہ

موجودہ باطل نظام کو ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک عوام کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ ہمارے مسائل کا حل صرف اور صرف نظام خلافت کے قیام میں ہے جو تمام شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے علاوہ ان کی بنیادی ضروریات غذا' لباس ' رہائش ' علاج ' اور تعلیم فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے --- شرکاء میں نظام خلافت کے خدو خال کی تفصیل پر مبنی کتابچہ مع تعاون فارم ہدیتہ پیش کیا گیا۔

بعد نماز عشاء بلدیہ ہال گوجرانوالہ میں شیخ الہندؒ کانفرنس میں محترم داعی تحریک نے اسیر مالٹا حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی --- اس مجلس کے شرکاء میں "نظام خلافت کیا ' کیوں ' کیسے " کے عنوان پر چار ورقہ تقسیم کیا گیا۔ ○○

بقیہ : تجزیہ

کونسل نے کابل میں انتظام سنبھال لیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ جنرل مسعود کو حکمت یار کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ انہی کی رفاقت کے ذریعہ مجاہدین اور اسلامی عناصر کی وہ طاقت پیدا ہو سکتی ہے جو لسانی عصبیتوں پر قابو پا سکتی ہے' سابق دور کی فوج' ملیشیا اور بیورو کریسی کو نکیل ڈال سکتی ہے اور چھوٹے چھوٹے مسلح گروہوں کو غیر مسلح یا اطاعت پر مجبور کر سکتی ہے۔

جناب اجمل خٹک اور ان کے ساتھی نیپ کے لیڈروں کا تو تجزیہ ہے کہ اب جناب حکمت یار ایک ہاتھ میں اسلام کا علم اور دوسرے میں پختون جھنڈا لے کر افغانستان میں نئی جنگ لڑیں گے اور اس جنگ کے صدقے میں پختونستان خود بخود بن جائے گا۔ اگرچہ اسے "اسلامی جمہوریہ پختونستان" کہا جائے گا مگر کچھ بھی ہو' ہوگا تو پختونستان ہی۔ دلی مراد اس طرح بر آئے تو بھی ہرج نہیں لیکن یہ انداز فکر صرف ایک فسادی ذہنیت کا پتہ دیتا ہے تاہم افغانستان کے معاملات میں حکومت پاکستان نے اور خود حکمت یار نے احتیاط اور دور اندیشی کا مظاہرہ نہیں کیا تو پھر راج فسادی ذہنیت ہی کا ہوگا۔ ○○

بقیہ اختتامی خطاب

انتظامی معاملات وغیرہ وہاں طے ہوا کریں۔ اس تحریک کے لئے اب اصل ضرورت یہ ہے کہ وہ دوسری صف ایک بنیان مرصوص بن کر سامنے آئے۔ جو چیزیں ان کے درمیان اجمال کے ساتھ طے ہوجائیں ' میں ان کو قبول کر لوں گا لیکن کوئی اختلاف ہو تو میرے پاس آئیں۔ دوسرے یہ کہ ان شاء اللہ میں اب ذرا تحریر کی طرف متوجہ ہونگا اور اپنے فکر کو اس طرح مرتب کرنے کی کوشش کروں گا جیسے کبھی استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ کے معاملے میں ہوا تھا اس کے لئے ضروری ہے کہ سیکنڈ لائن آگے آئے۔ چنانچہ میرا جلسہ تین مہینے میں ایک ہو اور اس میں بھی اصل تقریریں ساتھیوں کی ہونی چاہیں اور میری صرف صدارتی تقریر ہو جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی ہو۔ ہماری سیکنڈ لائن جواب نکھر چکی ہے ' پالش ہوگئی ہے اس سے تعلق رکھنے والے مقررین کو دس دس پندرہ پندرہ منٹ کی بجائے اب بھر پور وقت دیا جائے۔ ○○

لاہور میں پہلا ماہانہ جلسۂ خلافت

لاہور میں تحریک خلافت پاکستان کی کنوینگ کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ رمضان المبارک کے بعد ہر انگریزی مہینے کے پہلے جمعہ کی شام کو باقاعدگی سے ایک ماہانہ جلسۂ خلافت کا انعقاد کیا جایا کرے گا۔ جلسے کے مقام کے لئے کسی ایسے محل وقوع کی تلاش تھی جو شہر کے کسی وسطی علاقے میں ہو تاکہ ہر جانب سے شرکت کے لئے آنے والے معاونین کو یکساں سہولت حاصل رہے۔ چنانچہ نگاہ انتخاب برکت علی اسلامیہ ہال پر پڑی جو سرکلر روڈ پر موچی گیٹ کے سامنے واقع ہے اور جہاں جمعہ کی تعطیل کے سبب سے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں وغیرہ کی پارکنگ بھی کوئی مسئلہ نہیں بنتی۔

اتفاق سے ماہ رواں کا پہلا جمعہ یکم کو تھا جو مزدوروں کی عالمی تحریک کے حوالے سے "یوم مئی" بھی ہے۔ محنت کشوں کے نام پر وجود میں آنے والی جماعتیں اور تنظیمیں اور خاص طور پر وہ عناصر جن کا تعلق بائیں بازو سے ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ یہ حقیقت اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اہل محنت کا درد نہ سرمایہ دارانہ نظام نے محسوس کیا نہ کمیونزم نے جس کا سب سے بڑا علمبردار ملک سوویت یونین حال ہی میں اپنی موت آپ مرگیا ہے۔ محنت کی عظمت اور ہاتھ سے کام کرنے والوں کے شرف کی سب سے بہتر اور موثر ضمانت تو فی الحقیقت اسلام دیتا ہے جو انسانوں کا بنایا ہوا کوئی نظام نہیں بلکہ خود انسانوں کے خالق و مالک کا دیا ہوا لائحہ عمل ہے جو اپنے بندوں کی نفسیات، ان کے مسائل و ضروریات اور انہیں درپیش مشکلات سب سے زیادہ جانتا ہے۔

افسوس کہ دین کے بعض اہم اور عملی پہلوؤں پر پردے ڈال کر رکھے گئے جن میں معاشرے کے پس ماندہ طبقات، محنت کشوں، مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔ استحصالی ذہنیت رکھنے والا ہمارا سرمایہ دار اور غریب کسانوں کا خون چوسنے والا زمیندار و جاگیردار مسجدوں اور مدرسوں کا سرپرست ہے لہٰذا منبر و محراب سے محروم طبقات کے حق میں آواز نہیں اٹھتی لیکن بہر حال اس سلسلے میں اسلام کی تعلیمات کو کتاب و سنت سے محو تو نہیں کیا جاسکتا۔ تنظیم اسلامی پاکستان اپنی تاسیس کے پہلے دن سے پورے دین کی بات کرتی چلی آئی ہے جس کا مقصود انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سب گوشوں میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کی پابندی کا اہتمام ہے اور یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کی طرف سے رابطہ عوام کے لئے اٹھائی گئی تحریک خلافت پاکستان نے بھی اپنی ابتدا سے معاشرے کے محروم اور پسے ہوئے طبقات کے مسائل کا وہ حل لگی لپٹی رکھے بغیر پیش کیا ہے جو اسلام میں سرمایہ و محنت اور آجر و اجیر کے باہمی تعلق پر خیر القرون میں بھی موجود تھا اور آج بھی اسے جدید تقاضوں کے مطابق ڈھال کر متعلقہ سب بیماریوں کا شافی علاج بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام میں غیر حاضر زمینداری اور جاگیرداری کا تصور ہی موجود نہیں اور سرمایہ داری کے بجائے صرف سرمایہ کاری کی گنجائش ہے جو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرے۔ پھر اسلامی حکومت مزدور سمیت اپنے ہر شہری کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کی ضمانت دے کر انہیں استحصال سے نجات دلا دیتی ہے کیونکہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی بنیادی ضروریات کی طرف سے بے فکر ہونے کے بعد کارخانے اور کھیت کا کوئی بھی مزدور آجر کی شرائط پر کام کرنے پر مجبور نہ ہوگا۔

یکم مئی کے جلسہ خلافت کا موضوع نظام خلافت میں مزدوروں کے حقوق تھا۔ جلسہ برکت علی اسلامیہ ہال میں بعد نماز مغرب ٹھیک وقت پر شروع ہوا جس میں حاضرین کی کثرت کے باعث ہال کے باہر بھی اضافی کرسیاں رکھ کر ٹی وی مانیٹر کے ذریعے سامعین کا مقررین سے سمعی و بصری رابطہ قائم کردیا گیا تھا۔ تلاوت قرآن پاک سے آغاز کے بعد جس میں حافظ اشرف صاحب نے پیغام ربانی کے ترجمے کے علاوہ مختصر تشریح سے بھی حاضرین کو مستفید کیا، شاہدرہ کے نعیم اختر عدنان صاحب نے مزدوروں کے حقوق کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ عدنان صاحب سالہاسال دین کے طالب علم ہی نہیں رہے بلکہ بہت عرصہ مزدور تنظیموں کے ساتھ بھی کام کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر ہٹے مزدور کے مسائل پر بہت کام کیا لہٰذا خوب جانتے ہیں کہ "ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات"۔ ان کے بعد تحریک خلافت کے ایک نمایاں معاون سید معین الدین شاہ صاحب کو دعوت کلام دی گئی جنہوں نے ساتھیوں کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی کہ پاکستان کے آس پاس بالخصوص افغانستان میں تیز رفتار تبدیلیاں ظہور پذیر ہو رہی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ تحریک خلافت اپنا کردار ادا کرنے کے لئے پورے زور و شور سے میدان میں اترے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اور یہ نازک وقت تو بہت ہی تیزی سے گزر رہا ہے۔

آخر میں داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مائیک سنبھالا اور سرمایہ و محنت کے نازک رشتے کے ہر پہلو کی تشریح کر کے واضح کیا کہ اس میں موجود تمام پیچیدگیوں کے سہل ترین حل کی اگر تلاش ہے تو ہمیں اپنے دین کی طرف پلٹنا ہوگا۔ انہوں نے ایک ایک مسئلہ کو لے کے تفصیل سے بتایا کہ اسلام کے نظام خلافت میں ہی ان کا سامنا کرنے اور معاشرے کے ہر طبقے کو مطمئن رکھنے کی صلاحیت ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام انسان کو ایک انتہا کی طرف لے جاتا ہے تو کمیونزم دوسری انتہا کی طرف۔ انہوں نے کہا کہ انسانیت ایک عرصے سے ان دو انتہاؤں کے درمیان لٹک اور بھٹک رہی ہے جس کے دوران اس کے دکھوں میں اضافہ ہوا ہے، نئے سے نئے زخم ہی لگے۔ ان دکھوں کا مداوا اور زخموں کا مرہم صرف اور صرف خلافت اسلامیہ کا نظام ہے

ساڑھے نو بجے شب یہ جلسہ اختتام کو پہنچا جس کے بعد پونے دس بجے باجماعت نماز عشاء ادا کی گئی اور حاضرین و سامعین نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی لیکن خالی ہاتھ نہیں، اپنے ساتھ وہ ایک صاف اور سیدھا پیغام بھی لے کر گئے، اس عزم کے ساتھ کہ اب اسے اپنے دوسرے بھائیوں تک بھی پہنچائیں گے۔ ○○